اسرار و رموز

الفاتحہ

تالیف

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

خلیفہ و جانشین

عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفاتحہ

تالیف

حضرت مولانا شاہ **محمد کمال الرحمٰن** صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ و جانشین

عارف باللہ حضرت **شاہ صوفی غلام محمد** صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہ اہتمام

خواجہ عبداللطیف بی ای (علیگ) آنرز

پروپرائٹر: سیمسن الکٹریکل انڈسٹری (لائف بیاٹری) شانتی نگر حیدرآباد۔ آندھرا پردیش۔ انڈیا

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب	:	اسرار و رموز ''الفاتحہ''
مؤلف	:	حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم خطیب مسجد عالمگیری شانتی نگر خلیفہ و جانشین عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ
طبع اول	:	۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء
طبع دوم	:	ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ مطابق مئی ۲۰۰۴ء
تعداد	:	ایک ہزار
کتابت	:	شکیل کمپوزنگ سنٹر، متصل مسجد رضیہ، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد فون: 31110835 40 91+
طباعت	:	عائش آفسیٹ پرنٹرس 16-3-994/A/2/2، متصل مسجد رضیہ، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد۔۳۶ فون: 56522921 40 91+
قیمت	:	-/30 روپے
بہ اہتمام	:	K. A. Lateef B.E. (Hons) SEMSON ELECTRICAL INDUSTRY 10-2-287/8/A2, Opp. V.B.R.I., Shanti Nagar, Hyderabad- 500028 (A.P.), INDIA.

اِنتساب

شمال سے

ولی اللّٰہی نسبت رکھنے والے اساتذہ اور علمائے دین کے نام

اور جنوب سے

کمال اللّٰہی روحانی علوم معرفت رکھنے والے پیرانِ طریقت کے نام

جن کی صحبتِ بابرکت

اور فیضانِ توجہ سے اس کتاب کے لکھنے کی سعادت ملی۔

شاہ کمالؔ

خطیب مسجدِ عالمگیری، شانتی نگر

حیدرآباد-۲۸

فہرست مضامین

سخنِ اولین

قرآن وسنت کے تحت صالحین میں تلاوت قرآن کے چند مدارس رہے ہیں:

● تلاوتِ لسانی، ● تفہیم قلبی، ● آیت کے تقاضے پر عمل، ● تمام انسانوں میں اس کی حسبِ صلاحیت دعوت......

امت کے بیشتر افراد تو تلاوت سے ہی محروم ہیں، اگر کچھ اہتمام ہے تو زبان سے تلاوت باقی خیریت الا ماء اللہ، ہمیں تلاوت کا شعور جس واسطہ سے ملا وہ بقول حضرتؒ کے ایک مستفید کے سلسلہ قادریہ، چشتیہ، کمالیہ کا ایک اللہ والا ہے، جس کی ہر حرکت لا الہ الا اللہ کی وجدانی تشریح یا پھر محمد رسول اللہ کی عملی توضیح ہے، جس کی سفر پسند طبیعت کے لئے قطرۂ سیماب کی تشبیہ پھیکی اور جس کی دقت طلبی کے سامنے چاند پیاؤں کے عزائم ماند ہیں، جس کی برق نگاہی نے کتنی آنکھوں کو بصیرت عطا کی ہے، جس کے جذبہ محبت نے کتنے ہی دلوں کو مسخر کر رکھا ہے، جس کی مسیحانفسی نے کتنے ہی مردہ دلوں کو حیات نو بخشی ہے۔

امی لقب آقاؐ سے نسبت رکھنے والے ایک غلام نے اپنی تصانیف وتقاریر اور مسحور کن بیانات سے اس بات کا حیرت انگیز ثبوت پیش فرمایا ہے کہ علم الحقائق نہ تو محض کتابوں کی دین ہے نہ جامعات اور یونیورسٹیوں کی، نہ فلسفہ وسائنس کی دین ہے، نہ کلام ومنطق کی، نہ پڑھنے پڑھانے والوں کی دین ہے، نہ لکھنے لکھانے والوں کی، بلکہ علم تو صرف علیم کی دین ہے، علیم مطلق کی صفت ذاتی ہے، اس اطلاق نے جس تقید اول سے ظہور فرمایا اسی کا نام قلب محمدی ﷺ ہے، آج کوئی فلسفی اور کوئی دانشور ہے جو ایک امی لقب کے معلم انسانیت ہونے سے انکار کی جراءت کرے؟

محققین کا بیان ہے کہ تفسیر قران لکھنا پندرہ علوم کے ماہرین کا کام ہے اور یہ پندرھواں علم وہبی ہے۔ قرآن کی تفسیر لکھنا مفسرین کا کام ہے، بتوسط احادیث اس کی تشریحات وابحاث لکھنا یہ محدثین کا کام، الفاظ ومعانی کی بحثیں یہ علماء کرام کا کام ہے، مسائل بتلانا فقہاو مجتہدین کی ذمہ داری ہے، احکام ومسائل پر عمل کر کے بتلانا یہ بزرگوں کا کام ہے، ان بزرگوں کی

تقلید کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

قرآن شریف کلام الٰہی ہے، پورا علم الٰہی اس کلام میں متجلی ہے، اس علم کے بعد علیم ہی کا جلوہ ہے۔ ہمارے یہاں بزرگوں نے اس کی ایک اچھی ترتیب بتائی ہے، وہ یہ ہے:

● علیم ● علم ● معلوم

یہ جملہ حقائق و معارف کا دریا ہے، پہلے علیم کا مرتبہ پھر علم کا پھر معلومات کا۔ علم وہ ہے جو آپ کو علیم تک پہنچادے، علم وہ ہے جو آپ کو علیم کی ذات تک پہنچادے، علم وہ ہے جو آپ کو علیم کی صفات تک پہنچادے، علم وہ ہے جو آپ کو علیم کے افعال کا عرفان دے، علم وہ ہے جو آپ کو علیم کی مرضیات سے واقف کرادے، علم وہ ہے جو آپ کو علیم کی ناراضی کی تفصیل بتادے اور جو علم آپ کو علیم کی مرضیات اور نامرضیات کی تفصیل نہیں بتاتا، اسی کا نام جہل ہے۔

اب آپ ذرا دنیا والوں کی طرف پلٹ کر دیکھیں بلکہ خود مسلمانوں کی طرف پلٹ کر دیکھیں تو آپ کو تعلیم یافتہ جاہلوں کا جم غفیر نظر آئے گا جن کو نہ قرآن کی خبر، نہ تعلیمات قرآن کی، حیرت ہے کہ وہ خط جو ہمارے پروردگار نے ہمارے نام لکھا تھا ہم اس خط ہی سے واقف نہیں۔

”لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ کِتَابًا فِیْهِ ذِکْرُکُمْ تحقیق ہم نے نازل کیا تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارا ذکر ہے“۔ ہمارے نام کا خط اور ہم اس سے بے خبر، عجیب بات ہے، کچھ فکر ہوئی تو ناظرہ قرآن پڑھنے اور ختم کرنے کی، کچھ زیادہ فکر ہوئی تو چند سورتیں یاد کرلیں اور بے فکر ہوگئے۔ اناللہ......!!

آیاتِ الٰہی کا مطلب یہ کیسے سمجھ میں آئے۔ اللہ تعالیٰ اپنا وہبی علم عطا کریں تو اور بات ہے، یہ سب کے بس کی بات نہیں، بعض خاص قلوب اس کیلئے مختص ہوتے ہیں، انہی لوگوں میں احقر کے والد عارف باللہ واقف از راز ملکوت و جبروت، حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، حضرتؒ نے اپنے مرشد سے یہ خصوصی نکتہ سیکھ کر ہمیں بھی سکھایا کہ:

”قرآن قولِ الٰہی ہے اور کائنات فعل الٰہی ہے، قول مطابق فعل ہے، جو قرآن میں ہے وہی کائنات میں، اور جو کائنات میں ہے وہی قرآن میں۔ کائنات میں دیکھئے تو نظر آئیں گے سورج، چند، تارے، درخت، جانور، انسان وغیرہ۔ اب آپ قرآن کھولئے اور پڑھئے۔ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ سورج، چاند،

تارے، درخت، چوپائے اور بہت سے لوگ۔

اسی طرح صبح کے وقت سورج کو دیکھئے، شام کے وقت چاند کو دیکھئے، دن کا مشاہدہ کیجئے، رات کا معائنہ کیجئے، آسمان پر ایک نظر ڈال لیجئے، زمین کو بھی اچھی طرح دیکھ لیجئے، اپنی ذات پر بھی نظر ڈال لیجئے، اپنے خیالات بھی یاد کر لیجئے، قرآن شریف ہاتھ میں لیجئے اور پڑھئے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ (سورۂ شمس)

یہ آفاق کی قرآنی سیر تھی، اب اپنے نفس کی طرف پلٹ جایئے اور انفسی سیر فرمالیجئے

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (سورۂ بلد ۸)

بھوک لگے تو کُلُوْا کی آیت نکل رہی ہے، پیاس لگے تو وَاشْرَبُوْا کی تلاوت ہو رہی ہے، جوانی کے تقاضوں میں فَانْكِحُوْا کی تلاوت کرائی جا رہی ہے۔ دو چار باتیں نمونے کے طور پر لکھ دی گئی ہیں، اس طرح پورے تقاضوں کو لکھنا، پڑھنا، قرآن کو لکھنا، پڑھنا۔

ہمیں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ سورہ فاتحہ سارے قرآن کا خلاصہ ہے، علوم قرآن کو اجمالاً سورہ فاتحہ میں سمجھنے کی یہ ایک کوشش ہے۔

مفسرین، محدثین، علماء دین اور اولیاء اللہ کی کتابوں سے ماخوذ اور مستفاد ہے، گویا انہی کی عبارات کی تیسیر و تسہیل ہے، رسمی فاتحہ کے مسائل اور چھیڑ چھاڑ اس کتاب کا منشاء نہیں، زیادہ سے زیادہ کہیں ذیل میں کتابوں اور حوالوں کے ذریعہ ایصال ثواب کا صحیح طریقہ بتادیا جائیگا۔ رسمی و رواجی چیزوں اور فروعی مسائل کی اٹھا پٹک اس تحریر کا منشاء نہیں بلکہ سورۂ فاتحہ کی عظمت و فضیلت، مضامین و احکام، اس کے حقائق و معارف اور اس کے اسرار و رموز کا سادہ زبان میں تذکرہ واشاعت مطلوب اور خدا کی رضا مقصد ہے۔

اس زبان وبیان کے محاسن کے بجائے ایمان کا کمال، توحید کی پختگی، صدق کی جاذبیت، استقامت کا ثمرہ، سنتوں کی بہار، حسنات کی برکتیں، یاد الٰہی کا شعور اور دریافت وشہود خلق وحق کا فیضان تلاش کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حسن نیت، عمل اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین

شاہ کمال

خطیب مسجد عالمگیری شانتی نگر، حیدرآباد ۲۸

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ ۝ مَالِکِ یَوْمِ الدِّینِ ۝ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِینُ ۝ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِینَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۝ غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ (آمین)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ۝ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۝ بدلے کے دن کا مالک ۝ صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ۝ ہمیں سیدھی اور سچی راہ چلا ۝ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا ۝ نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی ۝ (آمین) اے اللہ تو قبول فرما۔

علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں ہے کہ:

یہ مبارک سورۃ نہایت کارآمد مضامین کا مجموعہ ہے ان سات آیتوں میں اللہ کی حمد، اس کی بزرگی اس کی ثناوصفت اور اس کے پاکیزہ ناموں کا اور اس کی بلند و بالا صفتوں کا بیان ہے، ساتھ ہی قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو ارشاد ہے وہ اس مالک سے سوال کریں اس کی طرف تضرع وزاری کریں اپنی مسکینی اور بے کسی کا اقرار کریں اور اس کی عبادت خلوص کے ساتھ کریں اور اس کی توحید الوہیت کا اقرار کریں اور اسے شریک نظیر اور مثل سے پاک اور برتر جانیں۔ صراط مستقیم کی اور اس پر ثابت قدمی کی اس سے مدد طلب کریں اور یہی ہدایت انہیں قیامت والے دن پل صراط سے بھی پار اتار لے اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے پڑوس میں جنت الفردوس میں جگہ دلوائے۔

تعوذ

مالک حقیقی کی پناہ!

عام طور پر شر کو دفع کرنے کے لئے سلوک و احسان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن شیطان ایسا خبیث ہے کہ وہ حسن سلوک سے بھی قبضہ میں نہیں آتا بلکہ شیطان سے دور رہنے اور اس سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ نے اپنی پناہ میں رکھنے کا طریقہ بتایا ہے، یہ اللہ کی اپنے بندوں پر خصوصی رحم و کرم کی دلیل ہے۔ قرآن میں دو جگہوں پر خاص طور پر شیطان مردود سے خدا کی پناہ مانگنے کے مواقع کا ذکر کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۳۲پ)

اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

تعوذ کا یہ موقع اگر بندوں کی سمجھ میں آجائے تو زندگی منور ہو جائے اور زندگی میں ایک صالح انقلاب آجائے۔

تعوذ کا ایک اور موقع پروردگار عالم نے خصوصیت کے ساتھ بتلایا ہے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ● اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (نحل ۹۸-۹۹)

اور جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ میں مانگ لیا کریں، یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر دل سے بھروسہ رکھتے ہیں، عطاء بن ابی رباع کا قول ہے کہ جب کبھی قرآن پڑھے استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے۔ حضور اکرم ؐ نے بھی ہمیشہ تلاوت کے موقع پر تعوذ پڑھا ہے اس سے شیطان کا شر دور ہوتا ہے اور اس کا دور کرنا واجب ہے۔

تعوذ کے الفاظ کیا ہیں، مختلف روایات واقوال مذکور اور تحقیق کی کتابوں میں منقول ہیں، یہاں نفس مفہوم اور انتہائی ضرورت کی بات تحریر کریں گے۔ مسند ابوالعلی میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص لڑنے جھگڑنے لگے، غصہ کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے۔ آپؐ نے فرمایا اگر یہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے۔ مسند احمد، ابوداؤد اور ترمذی میں یہ حدیث ہے۔ ایک روایت میں ایک زیادتی اور بھی ہے کہ حضرت معاذؓ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا لیکن اس نے نہ پڑھی اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے چند خصوصی فوائد کا ذکر کیا ہے اس میں سے چند یہ ہیں:

(۱) ایک یہ کہ منہ کی ناپاکی دور ہوتی ہے۔

(۲) زبان تلاوت کے قابل ہوتی ہے۔

(۳) اس میں اللہ سے امداد کی طلب ہے۔

(۴) اس میں بندے کی عاجزی اور خدا کی قدرت کا اقرار ہے۔

ایک نکتہ:

(۵) جو مسلمان کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے وہ شہید ہے لیکن جو اس باطن دشمن شیطان کے ہاتھوں سے مارا جائے وہ راندۂ درگاہ ہے، جس پر کفار غالب آجائیں گے وہ اجر پاتا ہے، لیکن جس پر شیطان غالب آجائے وہ ہلاک و برباد ہوجاتا ہے۔

تعوذ کا وجدانی شعور

تعوذ کا ایک وجدانی شعور اور رحمانی راز ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا کرشمہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ بندوں سے ارشاد فرماتے ہیں اے میرے بندو! تمہاری تخلیق خاک سے ہوئی ہے اور شیطان کی تخلیق آگ سے۔ شیاطین تم کو دیکھتے ہیں اور تم ان کو نہیں دیکھ سکتے، وہ تمہارے دشمن ہیں اور تم ان کے دشمن ہو، تمہارا دشمن تمہیں نظر نہیں آتا اس لئے اے میرے بندو! جب تمہارا دشمن تم پر حملہ کرے، دل میں وسوسہ ڈالے تو تم فوراً مجھے پکار لو، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھ لو، تمہاری پکار کے ساتھ ہی حق تعالیٰ خود حاضر اور متوجہ ہوجاتے ہیں اور شیطان غائب ہوجاتا ہے۔

وجدانی مثال

وجدانی زندگی میں ہمیں ایک مثال نظر آتی ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ دو چھوٹے بچے آپس میں ایک مکان کے سامنے لڑ رہے ہیں، ان میں ایک طاقتور ہے اور دوسرا کمزور، تھوڑی دیر میں طاقتور کمزور کو نیچے گرا دیتا ہے اور خود سینہ پر سوار ہو جاتا ہے اور مکے مارنے لگ جاتا ہے۔ کمزور بے چارہ رونے لگتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ طاقتور سے چھٹکارا مشکل ہے تو پوری طاقت سے اماں کہہ کر ماں کو آواز دیتا ہے۔ جوں ہی ماں کے کان میں اپنے بچے کی آواز پڑتی ہے بے چین ہو کر اٹھ جاتی ہے اور بیٹا کہہ کر بیٹے کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ جوں ہی ماں پہنچتی ہے طاقتور لڑکا سینے سے اتر کر بھاگنے لگ جاتا ہے اور یہ کمزور اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور طاقتور لڑکے کا پیچھا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ایسے وقت اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک کی طرف متوجہ ہو جائیں جو ہر جگہ موجود ہے تو اللہ کی ذات مبارک بھی ہماری طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور ہم ہر طرح کے شر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

تعوذ کا ایک اور شعور بھی ہے جیسے دو پہلوان مقابلے کے وقت لنگوٹ کس لیتے ہیں اور کشتی کے اکھاڑے میں اتر جاتے ہیں اسی طرح بندہ تعوذ اور اس کے شعور کے ذریعہ خود کو تیار کر کے نفس و شیطان سے مقابلے کے لئے میدانِ عمل میں اتر جاتا ہے اور پوری زندگی میں چوکنا رہتا ہے کہ کبھی شیطان کے کسی داؤ میں نہ آ جائے۔

نفس و شیطان کے فریب بھی بڑے عجیب و غریب ہوتے ہیں، جیسے پہلوان اپنے مقابل کو گرانے کے لئے کبھی خود زمین پر گر جاتے ہیں، اسی طرح نفس اور شیطان بھی کبھی ایسے ہو جاتے ہیں جیسے مر گئے ہوں لیکن وہ اپنی پوری قوتوں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں جب موقع پاتے ہیں انسان پر حملہ کر دیتے ہیں، اس لئے ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

نوٹ: شیطان اور اس کی حقیقت، شیطانی شرارتیں اور اس کے فریب اور اس کی مکاریاں اور چالبازیاں ہماری کتاب ''شیطان سے جنگ'' میں تفصیلاً موجود ہیں۔ اس میں ضرور ملاحظہ فرمالیں ہم یہاں طوالت کے اندیشہ سے اسے چھوڑ دیتے ہیں، اسی پر اکتفا کرتے اور حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تعوذ کا صحیح شعور عطا فرمائے اور شیطان کے ہر قسم کے شر سے حفاظت فرما کر اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھے۔

''اللہ'' کے نام سے

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نزول بِسْمِ اللهِ کے وقت بادل مشرق کی طرف بھاگے، ہواؤں اور دریاؤں نے شور کیا، چارپایوں نے سننے کے لئے کان لگا دئے، شیطان آسمان سے نکال دیا گیا، اللہ نے اپنی عزت کی قسم کھا کر فرمایا جس شئے پر یہ نام پڑھا جائے گا اس میں برکت ہوگی۔

حضرت ابو وائلؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جو شخص دوزخ کے فرشتوں سے، جو تعداد میں انیس ہیں، نجات چاہے وہ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے کیونکہ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں انیس حروف ہیں اور ہر حرف ان فرشتوں سے بچنے کی ڈھال ہے۔

حضرت عباسؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بِسْمِ اللهِ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا، جس قدر آنکھ کی سفیدی اور سیاہی کے درمیان قرب ہے اتنی ہی بِسْمِ اللهِ اور اسم اعظم کے درمیان قربت ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کو ان کی والدہ نے تعلیم کے لئے مکتب بھیجا، معلم نے ان سے کہا بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھو، آپ نے پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ معلم نے جواب دیا میں نہیں جانتا۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ''ب'' سے اللہ کی روشنی مراد ہے، س سے اس پاک ذات کا بلند ہونا مراد ہے، م سے اس مالک الملک کی شہنشاہی کی طرف اشارہ ہے۔ (بہاء، ثنا، مجد)

حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہشت کے ایک باغ کا نام بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے اس کے ہر حرف کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، اور اس کی ترتیب یوں ہے کہ اس میں جو حروف ہیں وہ درحقیقت اسماء الٰہیہ کے سرِ حروف ہیں اور اس حرف کے جتنے نام ہو سکتے ہیں وہ مراد ہیں جیسے:

''ب'' سے مراد: باری تعالیٰ، بصیر، باعث الخلق، بار یعنی احسان کرنے والا اور مہربان، باسط یعنی کشادگی عطا فرمانے والا اور باقی۔

''س'' سے مراد: سمیع، سریع الحساب، سلام، ستار۔

''م'' سے مراد: مالک الملک، ملک، معز، مذل، المومن، المتکبر، المصور، المجیب، المجید، المتین، المحصی، المبدی، المعید، المحی، الماجد، المقتدر، المقدم المؤخر، المتعالی۔

اسی طرح الف سے شروع ہونے والے اسماء الٰہیہ۔ ''ل'' سے شروع ہونے والے اسماء۔ ''ر'' سے شروع ہونے والے اسماء۔ ''ح'' سے شروع ہونے والا اسماء۔ ''ن'' سے شروع ہونے والے اسماء۔ ''ی'' سے شروع ہونے والے اسماء۔ یہ سب مراد ہیں۔ تو جو نام اتنے اسماء وصفات کا جامع ہو اس کی برکات اور اس کے اثرات میں کیا شبہ ہے۔

رحمٰن کا لفظ خاص ہے، معنی عام ہیں اور رحیم کا لفظ عام ہے معنی خاص ہیں۔ رحمٰن کا لفظ خاص ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ کسی اور کا نام نہیں رکھا جا سکتا، مگر معنی اتنے عام ہیں کہ کوئی اس کی رحمت سے خالی نہیں اور رحیم کا لفظ عام ہے کہ اوروں پر بولا جاتا ہے مگر معنی کے اعتبار سے خاص ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں الفاظ معنوں کے لحاظ سے ایک دوسرے سے زیادہ لطیف ہیں۔ جاہدؒ فرماتے ہیں کہ اہل دنیا کے ساتھ مہربانی کرنے والے کو رحمٰن کہتے ہیں اور رحیم اسے کہتے ہیں جو اہل آخرت کے ساتھ مہربانی کرنے والا ہو اس طرف آنحضرت کی دعا یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَرَحِیْمَ الْاٰخِرَۃِ میں اشارہ دیا گیا ہے اور قرآن میں بھی ہے وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں آنحضرت نے فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے صرف ایک کو زمین پر اتارا جو ساری مخلوقات میں تقسیم کی گئی۔ لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آنا اسی ایک رحمت کا نتیجہ ہے۔ باقی ننانوے رحمتیں اللہ نے اپنے لئے مخصوص فرمالئے جو قیامت کے دن اپنے بندوں پر نازل فرمائے گا۔

اللہ کا ذکر کرنے والوں کیلئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بڑا ذخیرہ ہے اہل قوت کے لئے عزت اور عاجزوں کیلئے سہارا ہے۔ اللہ کے دوستوں کے لئے نور اور اس کے مشتاقوں کے لئے سرور ہے۔ روحوں کے لئے راحت اور جسموں کے لئے سب بلاؤں سے نجات کا باعث ہے۔ تمام کام اس کی برکت سے سرانجام پاتے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ عارفوں کے سر کا تاج اور واصلین حق کے لئے چمکتا چراغ ہے۔

بسم اللہ کی اہمیت وفضیلت

قرآن وحدیث میں بِسْمِ اللّٰہِ کی اہمیت علماً وعملاً بتائی گئی ہے،جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بحکم خداعالمی طوفان میں چھوڑ دی گئی تھی تو انہوں نے کہابِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖیهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس کوخط لکھا تو اس خط کی پیشانی پر جو جملہ تھا وہ یہ ہے اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

حضوراکرمؐ کافرمان عالی شان ہے کل امر ذیبال لم یبدا بسم اللہ فھو ابتر ہروہ کام جو بنام خدا شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت رہتا ہے۔مشرکین مکہ کسی کام کوکرتے تو بِاسْمِ الّٰلَاتِ وَالْعُزّٰی کہہ کربتوں کے نام سے شروع کرتے تھےاورحضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم پربِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی آیت مبارکہ اتری تو پھراسی جملہ کے ساتھ آپ ہرکام کوشروع فرماتے۔بعض بزرگوں نے اسی بِسْمِ اللّٰہِ میں اسم اعظم کا ہونا ذکر فرمایا،ایک بزرگ نے فرمایا:

ہست کلید درِگنج حکم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی بھی ایک وجدانی مثال ہے،جس طرح سمندر میں غوطہ لگانے والے ایک خاص لباس پہن لیتے ہیں تاکہ سمندری جانوروں سے محفوظ رہیں اور سمندر کی تہہ تک پہنچ کرموتی اورمونگے نکالتے ہیں،اسی طرح اللہ کے بندے اللہ کے علم کے سمندر میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کالباس پہن کرہیرے کی تلاش کرتے ہیں اور ''القرآن'' میں غوطہ لگا کرحقائق ومعارف کے موتی نکالتے ہیں،بقدرظرف خود مستفید ہوتے ہیں اوردوسروں کے استفادہ کاذریعہ بھی بنتے ہیں۔القرآن میں غوطہ لگانے کوقرآن میں تدبرفرمایا گیا ہے۔ارشادفرمایا:اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۔ یعنی کیاقرآن میں غوروتدبرنہیں کرتے؟ کیادلوں پرقفل پڑ گیا ہے؟

سورہ فاتحہ کے نام

سورہ فاتحہ کے کئی نام ہیں:

(۱) سُوْرَۃُ الْکَنْز (۲) سُورۃ الشِّفَاء (۳) سُورۃُ السَّبْعَ الْمَثَانِی (٤) سُورۃُ النُّور (٥) تعلیم المسئلہ (٦) سورۃ السوال (۷) سورۃ الدعا (۸) سُورۃ تفویض (۹) سورۃ المناجات (۱۰) سورۃ الصلوٰۃ (۱۱) سورۃالحمد (۱۲) سورۃ الفاتحہ (۱۳) سورۃ الشکر (۱٤) سورۃالشافیہ (۱٥) سورۃ الکافیہ (۱٦) سورۃ الرقیہ (۱۷) سورۃ الاساس (۱۸) ام الکتاب (۱۹) ام القرآن (۲۰) القرآن العظیم (۲۱) منجیہ۔

ایک رکوع، سات آیات پر مشتمل ہے۔ سورۃ علم کا بحر بیکراں ہے، معمولی سی سمجھ رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس سورۃ میں کن کن مضامین کے اصولی اشارے ملتے ہیں۔

مضامین کے اشارے

۱-حمد۔ ۲-الوہیت۔ ۳-ربوبیت۔ ۴-عمومی رحمت۔ ۵-خصوصی رحمت۔ ۶-مالکیت۔ ۷-قیامت۔ ۸-عبادت۔ ۹-استعانت۔ ۱۰-ہدایت۔ ۱۱-استقامت۔ ۱۲-موافقت صالحین۔ ۱۳-یہودیوں، نصرانیوں اور افراط وتفریط میں پڑے گمراہوں سے اجتناب۔

سورۂ فاتحہ میں اجمالاً بنیادی مضامین اسطرح مندرج ہیں جسطرح ایک چھوٹے سے بیج میں ایک شجر اور اس کے برگ وثمر چھپے رہتے ہیں، غوروفکر سے یہ بات سمجھ میں آنے لگتی ہے

ناموں کی وجہ تسمیہ

۱۔ عرب لوگ ایسے کام کو جو جامع ہو اس کے لئے لفظ اَمّ اور جس کے اجزاء اس کے تابع ہوں اسے بھی اَمّ کہتے ہیں۔ چونکہ سورۃ فاتحہ میں قرآن کے مضامین جامعیت اور کمالات کے ساتھ مندرج ہیں، اس لئے اسے اُمُّ الْکِتَاب کہاجاتا ہے۔

۲۔ نیز چونکہ تمام تفصیلات قرآنی اسی اصل فاتحہ کے اجزاء ہیں اس لئے اس کو اُمُّ

الْقُرآن کا نام دیا جاتا ہے۔

۳۔ یہ بات خوب اچھی طرح ثابت ہے کہ یہی سورہ پورے علوم قرآنی کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اَسَاسُ الْقُرآن سے موسوم ہے۔

۴۔ اس سورہ کی ابتداء لفظ "اَلْحَمْدُ" سے ہوئی ہے اس میں خدا کی تعریف سے آغاز ہے، اس لئے سُوْرَۃُ الْحَمْدُ کے نام سے زبان زدعوام ہے۔

۵۔ چونکہ سات آیتیں ہیں، دہرا دہرا کر پڑھی جاتی ہیں بالخصوص ہر نماز میں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کا سَبْعَ مَثَانِی نام دیا گیا ہے۔

۶۔ یہ سورت چونکہ امور دینی و دنیوی میں علم و نتائج کے لحاظ سے کفایت کرتی ہے، اس لئے اس کا نام کَافِیَہ ہے۔

۷۔ روایات حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ اس سورت میں اللہ نے شفا رکھی ہے، اس لئے شَافِیَہ نام پڑا۔

۸۔ ابوسعید کی ایک روایت بخاری میں منقول ہے۔

الفاتحۃ اعظم سورۃ من القرآن ھی السبع المثانی و القرآن العظیم۔
یعنی فاتحہ قرآن کی سب سے بڑی سورت ہے، وہ سبع مثانی ہے یعنی وہ سات آیتیں ہیں جن کی تکرار کی گئی ہے اور بڑے درجہ کا قرآن ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بڑے درجہ کا قرآن یعنی قرآن عظیم فرمایا ہے۔

۹۔ خود قرآن کریم نے صراحت فرمائی ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیَ وَالْقُرآنَ الْعَظِیْمِ اور ضرور بتحقیق ہم نے آپ کو مکرر پڑھی جانے والی سات آیتیں اور عظیم قرآن دیا ہے۔

کس وقت اور کس طرح اتری؟

مسلم اور نسائی میں ایک روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک زوردار دھماکہ کی آواز آئی، حضرت جبرئیلؑ نے اوپر دیکھ کر فرمایا کہ آج آسمان کا دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلا تھا، پھر وہاں سے حضورؐ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہتا ہے خوش ہو جایئے دو نور آپ کو دیئے گئے جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے، ان میں کا ہر حرف پرنور ہے، ان میں سے ایک "سورۂ فاتحہ" ہے اور دوسرے "سورۂ بقرہ" کی

آخری آیتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسی نور کی نشاندہی اور نزول کی وجہ سے اس کا نام ''سورۂ نور'' بھی مذکور ہے۔

۱۰۔ خدا سے مانگنے کا ڈھنگ اس سورۃ میں بتلایا گیا ہے اس لئے **سُوْرَۃُ السُّوَالُ** کہا جاتا ہے۔

۱۱۔ نہ صرف طریق سوال کا اصول دیا گیا ہے بلکہ حقیقی اور بنیادی مسائل توحید، رسالت، انسانیت، خاص نہج سے مذکور اور مندرج ہیں، اس لئے **تعلیم المسئلۃ** یا **تعلیم المسائل** سے موسوم ہے۔

۱۲۔ چونکہ ذات وصفات الٰہی کا تذکرہ اور توحید الوہیت وتوحید ربوبیت کے بعد آخر تک دعا ہی کا سلسلہ ہے، اس لئے اس کو **سُوْرَۃُ الدُّعَا** کہا گیا ہے۔

۱۳۔ اور ہر مکلّف شخص کو ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کو پڑھتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے، اس لئے **سُوْرَۃُ الصَّلٰوۃ** بھی کہتے ہیں۔

امام بیہقی نے **سورۃ الحمد** کو **افضل القرآن** قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نماز میں تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں نماز سے فارغ ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا تم کس کام میں تھے؟ میں نے عرض کیا نماز میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی۔ **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ** ۔اے ایمان والو اللہ کے رسول جب پکاریں تو جواب دو، اچھا سنو! میں تم کو مسجد سے نکلنے سے پہلے بتاؤں گا کہ قرآن میں سب سے بڑی سورۃ کونسی ہے، پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو میں نے وعدہ یاد دلایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سورۃ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** ہے۔ یہ قرآن عظیم ہے اور سبع مثانی ہے اور کئی اسماء ایسے ہیں جن سے خود ان کی مراد مفہوم ہو رہی ہے۔

سبع مثانی:

وہ سات آیات جو بار بار دہرائی جاتی ہیں، ام الکتاب ہے یعنی قرآن اور اس کے

علوم کی بنیاد ہے، شافیہ یعنی جسمانی اور روحانی بیماریوں سے شفا دینے والی، کافیہ یعنی یہ اپنے ماسوا سے کفایت کرتی ہے، منجیہ یعنی نجات دینے والی ہے، کنز یعنی عرش کے خزانے سے ملی، تعلیم المسئلہ یعنی بندوں کو سکھلانے والی، سورۃ حمد یعنی تعریف کی سورۃ، سورۃ الصلوۃ یعنی ہر نماز میں پڑھی جانے والی، سورۃ رقیہ یعنی زہر کو دور کر دینے والی، سورۃ وافیہ یعنی وفا کرنے والی سورۃ۔

ایک روایت میں ہے کہ مجھے عرش کے خزانے سے چار چیزیں ملیں، فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۂ بقرہ کی آخری آیات، کوثر۔ ایک روایت میں ہے کہ ابلیس کو سر پر خاک ڈالنے کی چار بار نوبت آئی، اول جب اس پر لعنت ہوئی، دوسرے جب اس کو آسمانوں سے نکال دیا گیا، تیسرے جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی اور چوتھے جبکہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

اس عظیم سورۃ کو حق تعالیٰ ہمیں خوب سمجھنے کی توفیق دے اور اس کے ایک ایک حرف ولفظ کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی بھرپور توفیق دے۔

اٹھو مومنو آج سے عہد کرلو
عقیدت کے پہلو بہ پہلو عمل سے
حبیب خدا کی اطاعت کرو گے
حقیقت میں تعمیل سنت کرو گے
نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے تری فکر سے ترے نام سے

الحمدللہ

اگر ساری دنیا کی چیزیں کسی شخص کو مل جائیں اور وہ شخص اس نعمت پر الحمدللہ کہہ لے تو یہ الحمدللہ ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے، الحمدللہ سے میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے۔ حقیقت میں بھی مستحقِ حمد اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، ہاں البتہ اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ اللہ کی نعمت جن واسطوں سے ملی ہے، ان کا بھی شکر ادا کرو۔ اپنی حمد وثنا کا بیان کرنا، یہ اللہ کی خصوصیت ہے، کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ اپنی تعریف آپ کیا کرے، قرآن میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم اپنی پاکی وصفائی کا دعویٰ نہ کرو، اللہ ہی جانتا ہے کہ کون تقویٰ شعار ہے۔

حمد کے معنی خدا کی تعریف کے ہیں اور قرآن میں اَلْحَمْدُ سے کلام کو شروع کیا گیا ہے اور للهِ تخصیص کیلئے ہے اور تعریف کسی نعمت اور صفت پر ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا نعمت ہے جس کی بناء پر اس کی تعریف کی جائے اور اس میں وہ کیا خوبیاں ہیں جس کی بناء پر اس کی حمد وثنا بیان کی جائے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ذات سراپا کمالات والی ذات ہے، لہٰذا وہی قابل تعریف ہے اور اس نے جو نعمتیں عطا کی ہیں وہ ایک آدھ نہیں سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اور اتنی نعمتیں ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے یہ بات فطرت کے عین مطابق اور شریعت کے عین موافق ہے کہ اسی کی تعریف کی جائے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں کسی کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ درحقیقت اللہ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ اس جہانِ رنگ و بو میں جہاں ہزاروں حسین مناظر اور لاکھوں دلکش نظارے اور کروڑوں نفع بخش چیزیں انسان کے دامن دل کو ہر وقت اپنی طرف کھینچتی ہیں اگر ذرا نظر کو گہرا کیا جائے تو ان سب چیزوں کے پردے میں ایک ہی دست قدرت کارفرما نظر آتا ہے اور دنیا میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے جیسے کسی نقش ونگار یا تصویر یا کسی صنعت کی تعریف کی جائے کہ یہ سب تعریفیں درحقیقت نقاش یا مصور کی یا صناع کی ہوتی ہیں، اس جملے نے کثرتوں کے تلاطم میں پھنسے ہوئے انسان کے سامنے ایک حقیقت کا دروازہ کھول کر دکھلا دیا کہ یہ ساری کثرتیں ایک ہی وحدت سے مربوط ہیں اور ساری تعریفیں درحقیقت اسی ایک قادر مطلق کی ہیں۔ نیز فرمایا اسی ایک کے ساتھ مخلوقات کی رنگینیوں میں الجھے ہوئے دل و دماغ کو ایک حقیقت کی طرف متوجہ کر کے مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور معجزانہ انداز سے دلنشین طریق پر توحید کی تعلیم دی گئی ہے۔

الحمدللہ کا کلمہ قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر آیا ہے۔ خاص طور پر حسب ذیل سورتوں میں الحمدللہ کے الفاظ دیکھے جاسکتے ہیں (۱) سورہ انعام (۲) اعراف (۳) یونس (۴) ابراہیم (۵) نحل (۶) بنی اسرائیل (۷) کہف (۸) مومنون (۹) نمل (۱۰) عنکبوت (۱۱) لقمان (۱۲) سبا (۱۳) فاطر (۱۴) صافات (۱۵) زمر وغیرہ اور بھی بہت سے مقامات پر یہ بلند ترین کلمہ ''اَلْحَمْدُ لله'' اور کلماتِ تحمید مذکور ہیں۔

خاص طور پر ہم یہاں چند کا ذکر خصوصیت سے کریں گے۔

ارشاد باری ہے:

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرِ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ (انعام)

تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور اندھیروں اور نور کو بنایا پھر بھی کافر لوگ دوسروں کو اپنے رب کے برابر کرتے ہیں۔

(۲) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ (اعراف)

اور جنتی جنت میں پہنچنے کے بعد کہنے لگیں گے کہ تمام تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہم کبھی بھی یہاں تک نہ پہنچتے اگر اللہ کی توفیق و ہدایت شامل حال نہ ہوتی۔

(۳) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا (بنی اسرائیل)

کہہ دیجئے تمام خوبیاں اسی اللہ کیلئے ہیں، جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اس کا کوئی شریک سلطنت ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اسکا مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائی بیان کیجئے۔

(۴) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحُزْنَ، اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ الَّذِیْ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِہٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْھَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْھَا لُغُوْبٌ (فاطر)

جب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے تو ریشمی لباس پہنائے جائیں گے اور کہیں گے تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے ہم سے ہمیشہ کیلئے غم دور کر دیا، بے شک ہمارا رب بڑا بخشنے والا، بڑا قدر کرنے والا ہے۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے مقام پر پہنچا دیا، نہ ہم کو کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی۔

(۵) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِیْنَ۔

یعنی اور جب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے تو کہیں گے کہ تمام تعریف اس اللہ کے واسطے ہیں جس نے ہم سے وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس زمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں

جہاں چاہے مقام کریں، نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ جب کسی کا بچہ مرجاتا ہے تو حق تعالیٰ، فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے بچے کی روح نکال لی، وہ عرض کرتے ہیں کہ نکال لی، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا، وہ عرض کرتے ہیں کہ بے شک لے لیا ارشاد ہوتا ہے کہ پھر میرے بندے نے اس پر کیا کہا، عرض کرتے ہیں تیری حمد کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا اس کے بدلے میں جنت میں ایک گھر اس کیلئے بنادو اور اس کا نام بیتُ الحَمۡد (تعریف کا گھر) رکھو۔

مجموعی طور پر حمد کے چار درجات ہیں:

(۱) حمد فی الاثار (۲) حمد فی الافعال (۳) حمد فی الصفات (۴) حمد فی الوجود۔

یعنی آثار میں مالک ہونا قابل تعریف ہے کہ حق کے سوا کوئی کائنات کے کسی ذرے کا مالک نہیں، مالک حقیقی تو بس اللہ تعالیٰ ہیں۔ فَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ۔

دوسرا درجہ مرتبہ افعال میں فاعل حقیقی ہونا قابل تعریف ہے اور لَا تتحرک ذرہ اِلَّا باِذۡنِ اللّٰہِ اور لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور ان جیسے بے شمار جملوں سے اللہ ہی کا فاعل ہونا بتلایا جاتا ہے، اس مرتبہ میں بھی اللہ ہی کی تعریف ہے۔

تیسرے مرتبہ صفات میں جو موصوف بہ صفات کمال ہو وہی قابل تعریف ہے، چونکہ ایسی ذات حقیقتاً، اصلاً، ذاتاً اللہ کے سوا کوئی نہیں، اسلئے وہی قابل تعریف ہے۔ الحمدللہ، صفات کمال جیسے حیات، علم، ارادہ، قدرت، سماعت، بصارت، کلام وغیرہ اور مخلوقات میں خوبیاں اور کمالات اصلی اور ذاتی نہیں ہوتیں، بھلا ان کیلئے تعریف کہاں! حمد تو اللہ ہی کیلئے ہے۔

اسی طرح چوتھے مرتبہ میں بالذات حمد کے قابل وہ ذات ہے جو بالذات موجود ہے اور دوسری ساری چیزیں موجود بالغیر ہیں۔ اللہ کا وجود ذاتی ہے اور ساری مخلوقات محتاج وجود ہیں، اسی لئے لائق تعریف اللہ ہی کی ذات ہے۔ الحمدللہ

اسلام چونکہ اچھائی پسند مذہب ہے اس کی بنیاد نفرت پر نہیں اس لئے کلام الٰہی کی ابتداء حمد سے کی گئی ہے، منعم حقیقی کی تعریف فطرت انسانی کا تقاضہ ہے، حسب مراتب مجازی محسنین کا بھی شکریہ ادا کرنا احسان شناسی کا تقاضہ ہے اس لئے ایک طرف قرآن کا آغاز حمد سے ہوا اور دوسری طرف پیغمبر اسلام کا نام محمد اور احمد تجویز ہوا، اسی طرح قیامت میں جو مقام

شفاعت آپ کو عطا ہوگا اس کا نام مقام محمود ہے اور جو امتیازی جھنڈا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت ہوگا جس کے نیچے امت محمدیہ کھڑی ہوگی، اس کا نام لِوَاءُ الْحَمْد ہوگا اور اس کے نیچے کھڑے ہونے والے امتی حَمَّادُوْن کہلائیں گے، اس وقت جو عجیب وغریب ترانہ حمد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نبوت سے ادا ہوگا اس کو سن کر اولین اور آخرین سب محوحیرت ہوں گے۔

الوہیت الٰہیہ

الوہیت الٰہیہ کی معنی خیز تشریح حضرت والد ماجد حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح فرمائی ہے۔

کلمہ کے دو جز ہیں، ایک لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے محمد رسول اللہ۔ پہلے جز میں اللہ کی الوہیت کا بیان ہے اور دوسرے جز میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے۔

پہلے جز کی تفصیل یہ ہے کہ حقیقی الٰہ وہی ہے جو مالک وحاکم ہو، نافع وضار ہو، معبود ورب ہو اور اس شعور کا ہم پر کیا اثر ہونا چاہئے اسے پیش نظر رکھے۔ مثلاً کہ:

حق تعالیٰ ہی نافع ہیں	اس لئے غیر اللہ سے امید قلب سے اٹھ جائے۔
حق تعالیٰ ہی ضار ہیں	اس لئے غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جائے۔
حق تعالیٰ ہی مالک ہیں	اس لئے غیر اللہ سے راحت ہمیں حاصل نہ ہوگی۔
حق تعالیٰ ہی حاکم ہیں	اس لئے غیر اللہ سے رنج ہمیں نہیں پہنچ سکتا۔
حق تعالیٰ ہی معبود ہیں	اس لئے غیر اللہ کی عبادت نہیں کی جا سکتی۔
حق تعالیٰ ہی رب ہیں	اس لئے غیر اللہ سے استعانت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔
حق تعالیٰ ہی الٰہ ہیں	اس لئے غیر اللہ سے ہم وہ انس ومحبت قائم نہ کریں گے جو اللہ کے ساتھ خاص ہونا چاہئے۔

ماشاء اللہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کہتے ہی انسان کس مقام بلند پر پہنچ جاتا ہے۔

ربوبیت

رب کے معنی تربیت اور پرورش کرنے والے کے ہیں اور ربوبیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کی تمام مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے درجہ بدرجہ آگے بڑھاتے ہوئے

آخری حد تک پہنچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی صفت خاص کا ذکر کرتے ہوئے ''رب العالمین'' فرمایا ہے۔

رب العالمین کے الفاظ زبان زدِ خاص و عام ہیں، اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کا یہ جملہ کروڑوں بندگان خدا کی زبان پر ہر روز کئی مرتبہ بڑے اہتمام و شعور کے ساتھ آتا ہے، سب کا پالنے والا چاہتا ہے کہ سب پلنے والے اس کے قریب ہوتے چلے جائیں اور اس کی ربوبیت کے جلوؤں میں غرق رہیں، صفت ربوبیت کے جلوے دیکھتے رہیں اور ذاتِ رب کو اپنی ذات سے زیادہ قریب پاتے رہیں، جب جسم اور لوازمات جسم کو نوازنا ہوتا ہے تو ربوبیت رحمانی کا ظہور ہوتا ہے اور جب روح اور لوازمات روح پر نوازش کرنا ہوتا ہے تو ربوبیت رحیمی جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ اَلْعٰلَمِیْنَ عالم کی جمع ہے جس میں دنیا کی تمام اجناس، زمین و زماں، مکیں و مکاں، مہ و مہر و انجم، برق و باراں، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان سب داخل ہیں اور یہ بھی کوئی بعید نہیں جیسا یہ ایک عالم ہے جس میں ہم نظام شمسی و قمری اور زمین کی لاکھوں مخلوقات کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، یہ سارا ایک ہی عالم ہو اور اس جیسے اور ہزاروں لاکھوں دوسرے عالم ہوں جو اس عالم سے باہر کی خلاء میں موجود ہوں۔

رَبّ کا لفظ مالک، مربی اور حاکم کے معنی میں بھی آتا ہے، تینوں طرح اللہ کی خاص شان کا اقرار ہے اور عَالَمِیْنَ سے اس طرف اشارہ کردیا کہ وہ صرف رَبِّ الْمُسْلِمِیْنَ اور رَبِّ الْمُؤْمِنِیْنَ ہی نہیں بلکہ وہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے، تمام عالم اور ساری کائنات پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ اللہ نے تربیت عالم کا کیسا مضبوط اور محیر العقول نظام بنایا ہے، سیارات سے لے کر ذرات تک اور عرش سے لے کر فرش تک ہر چیز اس نظام محکم میں بندھی ہوئی ہے اور جہاں کی ہر شئی اس کی حکمت بالغہ کے تحت اپنے اپنے کام میں مصروف ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ نے فرمایا تبلیغ الشئی الی کماله شیئا فیشئا یعنی کسی شئی کو تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے آہستہ آہستہ کمال تک پہنچانا ربوبیت کہلاتا ہے۔ رب مالک کے معنی میں بھی آتا ہے، کیونکہ وہ اپنی مملوکہ چیزوں کی حفاظت و تربیت کرتا ہے، رب کا لفظ اللہ کیلئے خاص ہے بغیر اضافت کے دوسرے کیلئے اس کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ جو مخلوق محتاج تربیت ہے وہ دوسرے کی کیا تربیت کرسکتی ہے، اسلئے قرآن میں لفظ **اللہ** کے بعد سب سے زیادہ لفظ **رب** آیا ہے اور توحید کے سلسلہ میں ربوبیت سے زیادہ استدلال کیا گیا ہے۔

رب کا لفظ قرآن مجید میں مختلف تعبیرات کے ساتھ تقریباً ایک ہزار مقامات پر مذکور ہے، ان تمام مواقع کے تذکرہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے، البتہ صرف رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا جملہ قرآن مجید کی حسب ذیل سورتوں میں آیا ہے۔

(۱) سورۂ فاتحہ (۲) بقرہ (۳) مائدہ (۴) انعام (۵) اعراف (۶) یونس (۷) شعراء (۸) نمل (۹) قصص (۱۰) سجدہ (۱۱) صافات (۱۲) زمر (۱۳) فصلت (۱۴) زخرف (۱۵) جاثیہ (۱۶) واقعہ (۱۷) حشر (۱۸) حاقہ (۱۹) تکویر (۲۰) مطفّفین، وغیرہ۔

ربوبیت

ہر عالم پیدائش سے پہلے ''معلوم الٰہی'' ہے اور پیدائش کے بعد مخلوق الٰہی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم مبارک لامحدود ہے، اس لئے معلومات الٰہیہ بھی لامحدود ہیں اور اس لحاظ سے عالمین بھی لامحدود ہوں گے۔

ہر شئے کے چار عالم ہیں (۱) عالم ذات (۲) عالم صفات (۳) عالم افعال (۴) عالم آثار۔ پھر ان میں سے ہر عالم کے لاتعداد عوالم ہیں جو احوال کہلاتے ہیں۔

تفسیری پہلوؤں سے عالمین کا مفہوم دوسری جگہ واضح کر دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ عالم کا استعمال عرفی مختلف حالات پر ہوتا ہے بلکہ ہر ہر شئے پر ہوتا ہے، خاص طور پر ایک ایک چیز ہی کے تعدد تکثّر اور مجموعی پہلوؤں کو پیش نظر رکھیں جیسے عالم بصر، عالم جمادات، عالم نباتات، عالم حیوانات، عالم انسان، عالم شیاطین، عالم ملکوت، عالم عرش و کرسی، عالم لوح و قلم، عالم شمس و قمر، غرض ہر ہر چیز ایک عالم ہی کی حیثیت رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کے رب ہیں۔

اپنے بزرگوں نے فرمایا کہ انسان اپنی بقاء اور ترقی کیلئے فائدے کے حصول اور نقصان سے حفاظت کا محتاج ہے، اس کی ظاہری نظر اشیاء ہی سے فائدہ اور نقصان نکلتا ہوا دیکھتی ہے، اسلئے وہ اشیاء کے آگے جھک جاتا ہے اور ان اشیاء کو معبود و رب سمجھنے لگ جاتا ہے۔

آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے توسط سے علم صحیح بھیجا گیا اور آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ علم صحیح دیا گیا کہ جس طرح ٹانکی (خزانہ آب) سے ساری ٹونٹیاں پانی حاصل کرتی ہیں اور انسان ٹونٹیوں سے پانی لیتا ہے لیکن ٹونٹی کو ٹانکی نہیں سمجھتا بلکہ ٹانکی کو محتاج سمجھتا ہے، اسی

طرح کائنات کی ہر چیز رب نہیں محتاج رب ہے، اللہ کے سوا سب مربوب ہیں، پلنے والے ہیں، بچہ کیلئے ماں باپ، بیوی کیلئے شوہر، مزدور کیلئے آجر، رعایا کیلئے بادشاہ یا حکومت یہ سب ٹونٹیاں ہیں، ٹانکیاں نہیں، علم الٰہی کی روشنی میں یہ سب مربوب ہیں اور ذواتِ مخلوقات ربوبیت کی صفت سے خالی ہیں، رب وہی ذات ہوسکتی ہے جس کا کوئی رب نہ ہو ایسی ذات صرف اللہ ہی کی ہے۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے دو ذاتوں کا کھلا ثبوت مل رہا ہے، ایک رب کی ذات ہے، دوسرے عالمین کی ذوات ہیں جو مخلوقات ہیں اور خدا کی مربوب اور پروردہ ہیں، دو ذاتوں کی تفصیلات اور صفات اور عرفانی حقیقتیں ہماری دوسری کتابوں میں مل جائیں گی۔

تین خصوصی عالم

(۱) عالم شہادت

اسے عالم ناسوت، عالم شہادت، اور عالم اجسام بھی کہتے ہیں، اس میں اشیاء محسوس بحواس ظاہری ہوتے ہیں، بالعموم شکل وصورت کے ساتھ وزن بھی رکھتے ہیں، اور تحت زمان ومکان ہیں تدریجاً کمال کو پہنچتے ہیں، اس میں صرف زمانہ حال معلوم ومشہود ہوتا ہے، کوئی شئی عالم شہادت میں نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس کا وجود عالم مافوق میں ہوتا ہے خواہ وہ جوہر ہو یا عرض، مادہ ہو یا کچھ اور، مادہ جگہ گھیرتا ہے طول، عرض، عمق رکھتا ہے، وزن رکھتا ہے، اس کے اجزاء میں کشش اور جاذبیت ہوتی ہے۔

(۲) عالم برزخ:

یہ عالم ثانی یا عالم مثال اور عالم قبر ہے، مرنے کے بعد سے قیامت تک کا عالم، عالم قیامت کا مقصد ہے نیکوکار اور بدکار سب اس میں اپنے اپنے حسب حال رہتے ہیں، ان کی حرکات برزخی اصول وقواعد کے تحت ہوتی ہیں، ان کا عالم شہادت سے ایک حد تک ربط بھی باقی رہتا ہے، برزخ کا حال اہل دنیا پر بہت کم منکشف ہوتا ہے، برزخ میں اعمال متشکل ہوتے ہیں اور اعمال ہی کے مطابق ان کو صورت ملتی ہے۔

(۳) عالم آخرت:

عالم آخرت میں اُخروی اعتبار سے تن کے توسط کے ساتھ روح کو جزا و سزا ہوگی،

یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تعبیر آخرت میں دیکھنی ہوگی، اعمال کی اقتضاءات مختلف صورتوں میں ظاہر ہوں گی، دنیا میں دیکھئے جو چوری کرتا ہے، چوری کا اقتضاء مالدار کا درد دل بنتا ہے، کوتوالی والوں کی شکل میں رہتا ہے، چالان اور استغاثے کی صورت لیتا ہے، حاکم کی صورت میں سزا سناتا ہے، بیڑیاں بن کر لپٹتا ہے، بید بن کر بدن پر برستا ہے، محبس اور جیل بن کر قید کرتا ہے، اسی طرح یہاں ایمان وعقیدے اور اعمال کے اچھے برے ہونے کے اعتبار سے اُخروی اصولوں کے تحت خدا کا نظام نافذ ہوگا مگر یاد رکھئے دنیا ہو یا برزخ یا آخرت، جس کو ایمان نہیں، اسے اَمان نہیں اور جو مسلمان نہیں اسے سلامتی نہیں۔

لگے جو سوز طلب دل ہی طور ہوجائے
جو دل ہو طور تو حق کا ظہور ہوجائے
ہو جس کو قرب خدا کی تلاش اے طالب
ہے اس پہ فرض کہ اپنے سے دور ہوجائے
تو اپنے فضل سے اک ایسی بات دے مولیٰ
دلِ غلام بھی بیت السرور ہوجائے

الرحمٰن

﴿رحم کرنے والا، بڑا مہربان﴾

مخلوقات کو وجود عطا کرنے والا اور جسم کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے، رحمٰن کے رحم ہی سے عرش تا فرش سب قائم ہیں، ارض وسماء، شمس وقمر، جن وانس، شجر وحجر، درندو پرند، سب اسی کے رحم سے قائم ہیں۔ وہ ایسا رحمٰن ہے کہ اپنے منکروں کو بھی قائم رکھتا ہے، کھلاتا ہے، پلاتا ہے، میٹھی نیند سلاتا ہے، رحمٰن کی رحمت ہی سے کانوں کو شنوائی ملی، آنکھوں کو بینائی ملی، زبان کو کلام نصیب ہوا، پرندوں کی پرواز بھی اس رحمٰن ہی کی تجلی ہے۔ **اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ مَایُمْسِكُهُنَّ اِلَّاالرَّحْمٰنُ** ۔ یعنی کیا وہ پرندوں کو نہیں دیکھتے اپنے اوپر پروں کے پھیلائے ہوئے اور پروں کو سکیڑے ہوئے ان نہیں تھامے ہوئے ہیں، مگر رحمٰن ......

نصیحت ......

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

اَلرَّحْمٰنُ: رحم اور رحمت کے مضمون سے متعلق الفاظ تقریباً ساڑھے تین سو مقامات پر ہیں، لیکن لفظ رحمٰن خاص طور پر حسب ذیل سورتوں میں آیا ہے۔

(۱) فاتحہ (۲) بقرہ (۳) رعد (۴) اسراء (۵) مریم (۶) طٰہٰ (۷) انبیاء (۸) فرقان (۹) شعراء (۱۰) نمل (۱۱) یٰسین (۱۲) فصلت (۱۳) زخرف (۱۴) ق (۱۵) رحمٰن (۱۶) حشر (۱۷) ملک (۱۸) نباء۔

نیز اس بات کا تذکرہ بھی اہل ذوق اور قرآن سے دلچسپی رکھنے والے افراد کیلئے مفید ہوگا کہ سورہ یٰسین، طٰہٰ، انبیاء اور ملک میں چار چار جگہوں پر یہ الفاظ آئے ہیں اور سورۂ زخرف

میں سات مقامات اور سورۂ مریم میں سولہ مقامات پر اللہ کی اس خصوصی صفت اور اسم خاص کا ذکر کیا گیا ہے، بس اس اسم کا تقاضا یہ ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

اَلــرَّحِیــم: یہ لفظ قرآن مجید میں تقریباً بیالیس جگہوں پر آیا، خصوصیت سے حسب ذیل سورتوں میں اللہ کی صفت رحیمی جلوہ گر نظر آئے گی۔

(۱) فاتحہ (۲) بقرہ (۳) آل عمران (۴) مائدہ (۵) انعام (۶) اعراف (۷) انفال (۸) توبہ (۹) یونس (۱۰) ھود (۱۱) یوسف (۱۲) ابراہیم (۱۳) حجر (۱۴) نحل (۱۵) حج (۱۶) نور (۱۷) شعراء (۱۸) نمل (۱۹) قصص (۲۰) روم (۲۱) سجدہ (۲۲) سبا (۲۳) یٰسین (۲۴) زمر (۲۵) فصلت (۲۶) شوریٰ (۲۷) دخان (۲۸) احقاف (۲۹) حجرات (۳۰) طور (۳۱) حدید (۳۲) مجادلہ (۳۳) حشر (۳۴) تغابن (۳۵) تحریم (۳۶) مزمل (۳۷) نساء (۳۸) اسراء (۳۹) فرقان (۴۰) احزاب (۴۱) فتح (۴۲) ممتحنہ۔

حق تعالیٰ کی شان کریمی اور شان رحیمی دیکھئے کہ سورہ مائدہ میں پانچ مرتبہ، سورۂ احزاب اور نمل میں چھ مرتبہ، سورۂ شعراء اور سورۂ توبہ میں نو نو مرتبہ، نیز سورۂ نساء میں گیارہ مرتبہ اور سورۂ بقرہ میں بارہ مقامات پر اسم اَلرَّحِیم کی تجلیات دیکھئے۔

تیس برس سے کچھ نہ ملا!

حضرت بایزید بسطامیؒ سے ان کے ایک مرید نے عرض کیا۔ تیس سال سے عبادت کر رہا ہوں کوئی ثمرہ نہ پایا۔ فرمایا: ”عجب وتکبر کے ہونے کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکے گا“۔

علاج پوچھا تو فرمایا...... ”سر منڈاؤ، پھٹی گودڑی پہنو، گردن میں اخروٹ کا تھیلہ لٹکاؤ اور شہر بسطام کے گلی کوچوں میں گردش کرو اور بچوں سے کہو جو ہمیں دھپہ لگائے گا ہم اس کو اخروٹ دیں گے۔ اس نے کہا ”یہ تو نہیں ہو سکتا“۔ تو فرمایا کہ: ”اس طرح عجب وتکبر کی موجودگی میں تین سو برس کی عبادت بھی کام نہیں دے گی“۔

الرحیم

نہایت رحم کرنے والا

بار بار رحم کرنے والا، خصوصی رحم کرنے والا، بصیرت دینے والا، روح کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے، ان کی رحیمیت ہی روح کے تقاضوں کو پورا کر کے پیغمبروں کو بھیجتی ہے، کتابوں کو نازل کرتا ہے، آخرت کا ایمان و یقین عطا کرتی ہے، دنیا میں سرکار دو عالم ﷺ کا بھیجا جانا اور قرآن کا نزول رحیمیت ہی کی تجلی ہے اور آخرت میں جنت اور نعمائے جنت اور دیدار الٰہی اسی رحیمیت کی خصوصی تجلیات ہیں۔

جو ذات غیب الغیب ہے اور وراء الوراء ہے اس مرتبہ ذات کا ظہور اسماء وصفات کے ذریعہ ہوتا ہے، اسم ذات وصفات کے ظاہر ہونے کا ذریعہ ہے، صفت رحمانیت ساری مخلوقات کیلئے عام ہے اور صفت رحیمیت مومنین کیلئے خاص ہے، وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا۔

رحمٰن اور رحیم دونوں لفظ رحمت سے مشتق ہیں اور وسعت رحمت اور کمال رحمت پر دلالت کرنے والے ہیں، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ تخلیق عالم اور آسمان وزمین اور تمام کائنات کے پیدا کرنے اور ان کو پالنے کا منشاء اللہ کی صفت رحمت ہے نہ اس کو ان چیزوں کی ضرورت تھی نہ کوئی دوسرا ان چیزوں کے پیدا کرنے پر مجبور کرنے والا تھا صرف اسی کی رحمت کے تقاضے سے یہ ساری چیزیں اور پرورش کے سارے انتظامات وجود میں آئے۔ رحم اور اس کے تقاضے اور رحمۃ للعالمین کے واقعاتِ رحم و کرم اتنی تفصیلات چاہتے ہیں کہ ہماری پوری کتاب بھی اس کیلئے ناکافی ہوگی۔

مالک یوم الدین

مالک روز جزا

الدین (جزاء، بدلہ)

دین کا لفظ جو اسلام اور مذہب کیلئے استعمال ہوتا ہے وہ تو بے شمار جگہوں پر ملے گا لیکن خاص طور پر وہ لفظ "اَلدِّیْنِ" جو جزاء اور قیامت اور بدلے اور یوم الجزاء کیلئے استعمال ہوتا ہے، اس کی وضاحت وتفصیلات کیلئے حسب ذیل سورتوں کا مطالعہ کیجئے۔

(۱) فاتحہ (۲) حجر (۳) شعراء (۴) صافات (۵) ص (۶) ذاریات (۷) واقعہ (۸) معارج (۹) مدثر (۱۰) انفطار (۱۱) مطفّفین (۱۲) التّین (۱۳) الماعون، وغیرہ۔

اس دنیا میں آپ دیکھتے ہیں کچھ لوگ بہت ہی ایماندار ہیں، نیک ہیں، صالحیت ان کی صورت سے ٹپک رہی ہے، اللہ اور رسول کے فرمانبردار ہیں، نمازوں کے پابند ہیں، روزہ رکھنے والے، زکوٰۃ نکالنے والے اور حج کرنے والے ہیں، بلکہ اللہ کے راستے میں جدوجہد اور جہاد کرنے والے ہیں، لیکن دنیا میں مصیبتوں کے شکار ہیں، آفتوں کے طوفان میں گھرے ہوئے ہیں، ظالموں کے ظلم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف آپ دیکھتے ہیں کچھ ایسے آدمی ہیں جو بے ایمان ہیں، کافر ومشرک ہیں، ظالم وقاتل ہیں، فاسق وفاجر ہیں، خدا کے باغی اور طاغی ہیں، رسولؐ کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں، لیکن خوشحال ہیں، کھاتے پیتے ہیں، آل واولاد سے ان کے گھر بھرے ہوئے ہیں، محلات میں رہتے ہیں، باغوں کی سیر کرتے ہیں، موٹروں اور ہوائی جہازوں پر سفر کرتے ہیں، عارضی خوشی اور مسرت سے زندگی معمور ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ڈھیل ہے اور جب ڈھیل کی مدت پوری ہوجاتی ہے تو پھر ان سب کو ایسا پکڑتے ہیں کہ سنبھل ہی نہیں سکتے، نہ بچ کر بھاگنے کا کوئی راستہ رہتا ہے۔ اللہ نے اس دنیا کو دار العمل بنایا ہے، دار الجزا نہیں ہے، جزاء کیلئے اللہ نے آخرت

بنائی ہے۔ وہاں اچھے اعمال کا اچھا بدلہ مل جائے گا اور برے اعمال کا برا بدلہ ملے گا۔ نیک اعمال کا بدلہ جنت ہے، برے اعمال کا بدلہ دوزخ ہے۔ اس دنیا میں جزا وسزا کا مکمل ملنا ناممکن ہے۔ دیکھئے ایک شخص دوسرے شخص کو قتل کرتا ہے، انصاف یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اچھا پھر دیکھئے ایک وہ آدمی جس نے دس آدمیوں کو قتل کیا، اب اگر اس کو قتل کر دیا جائے وہ ایک آدمی کا بدلہ ہوا بقیہ نو آدمیوں اور مقتولین کا بدلہ کیسے لیا جائے؟ دوسرا آدمی سو آدمیوں کو قتل کرتا ہے، تیسرا آدمی ہزار آدمیوں کو قتل کرتا ہے تو اس دنیا میں اس کو سزا مل ہی نہیں سکتی، اس کی سزا اللہ رب العزت کل قیامت کے دن دیں گے، بار بار قتل کے ذریعہ اس کو سزا دی جائے گی اور لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْییٰ کی تجلیات ظاہر ہوں گی یہی حقیقی انصاف ہے۔

ایک شخص ایک آدمی کی جان بچاتا ہے، آپ اس کو ایک باغ انعام میں دیتے ہیں، اگر کوئی سو آدمیوں کی جان بچائے یا ہزار آدمیوں کی جان بچائے تو اس کیلئے ہزاروں باغ آپ کہاں سے لائیں گے اور کس طرح دیں گے، اسلئے اس کے سوا کچھ نہیں کہ انصاف اور بدلے کا دن آئے کہ اس دن اس ایک ذات کی حکومت کا اعلان ہوگا جو مالک یوم الدین ہے، اس لئے لازم ہے کہ بدلے کا دن آئے اور اللہ کے وعدے اور وعیدیں پوری ہوں۔

نسبت تملیک کی فہم

ایک ایسی بات جو اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہے، جس کی اہمیت بھی ہے اور بیحد ضرورت بھی، وہ نسبت تملیک کی فہم ہے۔ یعنی وہ تعلق جو بندے کو خدا کے ساتھ ہے۔ اس تعلق کے مختلف اعتبارات ہیں، مگر ایک ادراک ان میں بہت مضبوط ہے اور طاعت وفرمانبرداری کے جذبات پیدا کرنے میں محرک اول کی حیثیت رکھتا ہے، وہ ہے بندے کا اپنے کو مملوک سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کو مالک سمجھنا۔

باوجود سادہ ہونے کے یہ بات اتنی عمیق اور گہری ہے کہ انسان کو انسان بنادینے کیلئے کافی ہے، بائیں طور کہ مملوک کو مالک کے ساتھ کیسا رہنا چاہئے یہی وہ حقیقت نفس الامری ہے جس کی بناء ایک حقیقت کے متلاشی آدمی کیلئے راہ ہدایت پر آنے کیلئے کافی ہوجاتی ہے۔ اس ضمن میں اتنا سمجھنا ضروری ہے کہ وہ چیز جس کو ہم عرفاً اپنی چیز سمجھ رہے ہیں، حقیقتاً اپنی چیز نہ سمجھیں بلکہ یہ ادراک رکھیں کہ میں ان چیزوں کا مالک حقیقی نہیں ہوں مالک

حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں، مثلاً دیکھئے تو سہی اپنے گھر کا کیا مطلب؟ اپنا گھر وہ ہے جس میں سے کوئی تم کو نکال نہ سکے، مثلاً آپ کسی مکان میں پہنچے اور کہا کہ یہ ہمارا گھر ہے، مالک کان پکڑ کر باہر کرے گا، اسی طرح غور کیجئے وہ گھر جس کو ہم اپنا گھر سمجھ رہے ہیں سرکار حقیقی کا حکم نافذ ہوگا، فرشتے آئیں گے چارونا چار بحکم الٰہی گھر سے نکال دیں گے، صحیح معنوں میں دیکھئے کیا یہ بھی کوئی تمہارا گھر ہوا جس پر نہ تمہارا قبضہ، نہ قدرت، نہ اس میں رہنے کی کوئی طاقت، اس لئے قرآن نے اس حقیقت کو سینکڑوں مقامات پر ذکر کیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کے مالک اللہ ہیں اور کائنات کی ہر چیز اللہ کی مملوک، اب مملوک کا کام یہ ہے کہ وہ مالک کے حکم کو مانے اور اس کے ہر اشارے کی تعمیل کرے، یہی انسانیت کا بھلائی کا ہر خیر کا بلکہ دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کو حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

سلام

سلام ان پر شریعت نام ہے اقوال کا جن کے
سلام ان پر طریقت نام ہے افعال کا جن کے
سلام ان پر حقیقت نام ہے احوال کا جن کے
سلام ان پر معارف نام وجد و حال کا جن کے
سلام ان پر کہ دنیا میں محبت عام کرڈالی
سلام ان پر جنہوں نے شیطنیت ناکام کرڈالی
سلام ان پر غریبوں کو نوازا تاج شاہی سے
سلام ان پر غلام ان کا غنی ہے بادشاہی سے

مالکیت اور اصول ومعرفت!

زندگی کے سارے جھگڑے اور فساد مالکیت کے دعوے کی وجہ سے ہیں، مالکیت کے دعویدار دو ہیں۔ (۱) اللہ (۲) انسان۔ ایک ہی چیز کے دو مدعی برحق نہیں ہو سکتے، ایک صادق ہوگا، دوسرا کاذب۔

کسی چیز کا مالک وہی ہوتا ہے جو اس کا خالق بھی ہو اپنے آپ کو اپنے جسم کا مالک کہنے والے انسان سے پوچھئے کہ کیا اس نے اپنا جسم بنایا ہے؟ جواب نفی میں ہے، اس لئے دعویٰ جھوٹا، مدعی کاذب ہے۔

اللہ سے یہی سوال پوچھئے؟ کلام الٰہی میں جواب ملے گا، اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ۔ چنانچہ جملہ موجودات کا خالق اللہ ہے اور اصول تحقیق کے لحاظ سے وہی مالک بھی اور اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہے، اب چونکہ انسان مخلوق ہے تو لازم ہوا کہ مملوک بھی ہو، اب صاف ظاہر ہے کہ مملوک کے مالک ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔ البتہ جو چیزیں انسان کیلئے مسخر کر کے کام لینے کی غرض سے اس کے حوالے کی گئی ہیں وہ انفس و آفاق کی تمام اشیاء کا مالک نہیں امین ضرور ہے، امین کے پاس قبل از عطائے امانت اس کے اپنے احتیاجی تقاضے کے سوا کچھ نہ تھا، پھر کیا تھا؟ فقیر تھا انسان ایک فقیر کامل ہے جو جسم رکھتا ہے نہ جان! ہاں اللہ کے علم میں ایک ''معلوم'' کی حیثیت ہے اور اپنی اقتضاء کے تحت احتیاجات کی ایک جھولی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ غنی نے محض اپنے فضل وکرم سے اس کی جھولی میں حسب ظرف انوار بھر دئے، علم میں پنہاں تھا نور میں پیدا کر دیا، اس ذات معلوم ثابت الذات مسلوب الوجود کی جھولی میں جسم و جان اور سارے لوازمات بھر دئے، پہلے حیات کی نعمت سے اس میت کو نوازا پھر علم و ارادہ، قدرت، سماعت، بصارت اور کلام کے اوصاف بخشے، اس کی خصوصی عطاؤں میں سے کان، آنکھ اور دل ہے جن کے تعلق سے خاص طور پر پوچھ ہوگی۔

انسان سن کر صالحیت کے مقام پر، دیکھ کر شہادت کے مقام پر اور پا کر صدیقیت کے مقام پر فائز ہوتا ہے، صالحیت تا صدیقیت کئی مقامات ہیں اور نبوت کا مقام وہی ہے۔ انسان اسے اپنے کسب سے حاصل نہیں کر سکتا، صالحیت شریعت ہے، شہادت طریقت ہے اور صدیقیت معرفت ہے، ان مقامات کی سیر کیلئے اور تحقیق کیلئے افراط وتفریط سے بھی بچنا ہے اور راہِ اعتدال پر جمے ہوئے ذکر وفکر اور مراقبہ ومجاہدہ کرنا ضروری ہے جس کے بغیر ذات کی یافت مشکل ہے۔

دو شعر

انہی کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے
وہی ڈھونڈتے ہیں جو ہیں پانے والے

☆☆☆

ان سے ملنے کی ہے یہی ایک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

قیامت از روئے قرآن چند اشارے

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب تارے بکھر جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینہ کی گابھن اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی اور جب جنگلی جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دئے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دئے جائیں گے اور جب جانیں جسموں سے جوڑ دی جائیں گی اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئیں؟ اور جب اعمال نامے کھول دئے جائیں گے اور جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا اور جب جہنم دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب لے آئی جائے گی، اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ (تکویر)

عظیم حادثہ! کیا ہے وہ عظیم حادثہ؟ تم کیا جانو کہ وہ عظیم حادثہ کیا ہے؟ وہ دن ہے جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دُھنے ہوئے اُون کی طرح ہوں گے، پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کی جائے قرار گہری کھائی ہوگی اور تمہیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے،

بھڑکتی ہوئی آگ (القارعہ)

آخر کار جب وہ کان بہرے کر دینے والی آواز بلند ہوگی، اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا، ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا کچھ چہرے اس روز دمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش وخرم ہوں گے اور کچھ چہروں پر اس روز خاک اُڑ رہی ہوگی، یہی کافر وفاجر لوگ ہوں گے۔ (عبس)

یہ اس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال ایسے ہو جائے گا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو بکھرے جا رہے ہیں۔ (مزمل)

جب وہ ہونے والا واقعہ پیش آجائے گا تو کوئی اس وقوع کو جھٹلانے والا نہ ہوگا وہ تہہ و بالا کر دینے والی آفت ہوگی اس وقت زمین یکبارگی ہلا ڈالی جائے گی اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے کہ پراگندہ غبار بن کر رہ جائیں گے۔ (واقعہ)

لوگو اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے، جس روز تم اسے دیکھو گے، حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔ (الحج)

جب ستارے ماند پڑ جائیں گے اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا اور پہاڑ دھنک ڈالے جائیں گے اور رسولوں کی حاضری کا وقت آپہنچے گا، اس روز وہ چیز واقع ہو جائے گی کس روز کیلئے یہ کام اٹھا رکھا گیا ہے، فیصلہ کے روز کیلئے اور تمہیں کیا خبر کہ وہ فیصلہ کا دن کیا ہے، تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کیلئے۔ (مرسلات)

عبادت؟

ڈاکٹر میر ولی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قرآن اور تصوف'' میں لکھا ہے، عبادت غایت تذلل کا نام ہے، جس کا اظہار معبود حقیقی کے آگے کیا جاتا ہے، اس کے معروف طریقے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، طواف، کعبہ، نذر و منت، قربانی، دعا وغیرہ ہیں۔ یہاں خصوصیت سے نماز کے تمام ارکان و اعمال پر غور کرو، عبادت یا اظہار ذلت کا مفہوم بخوبی تمہارے لئے

دلنشین ہوگا، عابد نماز کا قصد کر رہا ہے، مصلّے کی طرف بڑھ رہا ہے، زبان پر ہے اِنِّی ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّی سَیَهْدِیْنَ یعنی میں اپنے رب کی طرف چلا ہوں وہ میری ہدایت کرے گا، دل غیر حق سے پاک ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات ہی لائق حمد ہے، اسی فہم کے ساتھ تکبیر تحریمہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے اور اِنِّی وَجَّهْتُ کو پورے شعور سے ادا کر چکا ہے، دل پوری طرح متوجہ بحق ہے، اب نیت میں بھی خلوص ہے، بطور عادت نہیں، بطور عبادت۔ عاشقانہ نماز ادا کر رہا ہے، انہی کی حَوْل و قُوَّت سے پڑھ رہا ہے، ثنا میں حق تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا اظہار کر رہا ہے اور توحید کا اقرار لَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ سے ہو رہا ہے، اب حضوری میں دست بستہ نظر نیچی کیئے ذلت و مسکنت کی تصویر بنا کھڑا ہے زبان پر جاری ہے الحمد للہ اور دل میں سمجھ رہا ہے پورے عالم میں کوئی سوائے اللہ کے مستحق حمد نہیں، جب رب العلمین کہتا ہے تو جانتا ہے لَا رَبَّ سِوَاهُ یعنی ربوبیت اسی کو زیبا ہے تمام عالم اس کا مربوب ہے الرحمٰن الرحیم کہتے وقت عالم رجا میں داخل ہوتا ہے، رحمت و کرم کی امید دل میں پیدا ہوتی ہے، جانتا ہے کہ رحمانیت کا تعلق تو ساری کائنات سے ہے رحیمیت خصوصی شئ ہے اور مومنین سے مختص ہے، کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا، مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، کہتے وقت عالم خوف کا مشاہدہ کرتا ہے، روز قیامت حق ہے اور یہ وہ دن ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا، یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا۔ اسی امید و بیم کی حالت میں عرض کرتا ہے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" حق تعالیٰ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور آپ ہی سے استعانت کرتے ہیں، ماسوا اللہ سے بالکلیہ اعراض کر کے آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، آپ کے سوا استعانت کی جہت سے غیر کو کیوں پکاریں جبکہ ہمیں یہ سنا دیا گیا ہے کہ آپ کے سوا کسی میں حول وقوت نہیں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اس لئے وہ نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر، اس مدح وثنا اور اقرار عبودیت کے بعد دعا کرتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اے اللہ راہ مستقیم کی ہدایت فرمایئے، نفس وہویٰ سے چھوٹیں آپ کا قرب نصیب ہو۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ۔ انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلنا نصیب ہو جو انبیاء اولیاء کی راہ ہے مَغْضُوْبِیْن اور ضَآلِّیْنَ کی راہ نہیں جنہوں نے غیر اللہ سے عبادت واستعانت کا رشتہ قائم کر کے ہمیشہ کے خسارے میں اپنے کو مبتلا کر لیا، اس حمد وثنا اور دعا کے ساتھ کلام ربانی کی چند آیتیں احکام خداوندی معلوم

کرنے، تکرار سے ذہن میں جمانے، ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں کمانے، حق تعالیٰ سے سرگوشی کرنے بڑھتا ہے، پھر اپنی ذلت مزید ظاہر کرتے ہوئے رکوع کرتا ہے، اس حالت میں کہ اس کی زبان سے مولیٰ کی تقدیس، تسبیح، تنزیہہ وتمجید جاری ہوتی ہے۔ اپنی ذلت اور اپنے فقر کا احساس قلب میں واضح طور پر موجود رہتا ہے، پھر جب سر اٹھاتا ہے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتا ہے، اس طرح حق تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرماتے ہیں جو سر معبود حقیقی کے آگے جھکتا ہے، وہ مخلوق کے آگے جھک نہیں سکتا، وہ سب سے بلند ہوتا ہے بے نیاز ہوتا ہے، وہ لاقیمت جوہر ہے ہوتا ہے اس سرفرازی کے شکریہ میں سجدے میں گر جاتا ہے، اس طرح غایت وتذلل کا اظہار کرتا ہے اور اسی میں وہ اپنی آنکھ کی ٹھنڈک پاتا ہے وَجَعَلْتَ قُرَّةَ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ ۔ یہ آنکھ کی ٹھنڈک اس کو اپنے محبوب مولیٰ کے مشاہدہ سے ہو رہی ہے، یہی اس کا کمال ہے اور یہی اس کی معراج ہے۔ اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ معبود کا نہ صرف خیر محض ہونا ضروری ہے بلکہ قادر مطلق ہونا بھی لازمی ہے، یہ اپنی لامحدود قوت لامتناہی طاقت کی وجہ سے ہماری حفاظت کرتا ہے، ہماری حاجتوں کو پوری کرتا ہے، مرادوں کو بر لاتا ہے، اس کے اعتصام کے بعد ہمیں اس کی نصرت واعانت کا قطعی یقین ہو جاتا ہے اور چونکہ ہم اسے معبود مانتے ہیں، بلکہ اس کو فعال مطلق مانتے ہیں، آثار وافعال کا مرجع اسی کو قرار دیتے ہیں، حول وقوت کا اسی کو مبدا سمجھتے ہیں، اسی لئے اس سے استعانت چاہتے ہیں۔

چند شعر

کیا کر سکے گا میرا یہ گردش زمانہ — زور قلم سے میرے بن جائے گا فسانہ
نے رنج وغم یہ میرا نے یہ میری مسرت — حاصل ہوئی ہے ان سے تسکینِ جاودانی
اے برق تو تڑپ کر خاموش ہو گئی کیوں — لے تجھ پہ گر رہا ہے اب میرا آشیانہ

حقیقت عبادت؟

اصل عبادت تو اللہ کے حکم کی تعمیل ہے جس وقت جو حکم ملا اس وقت اس حکم کی تعمیل ہی عبادت ہے۔ نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو نماز پڑھنا عبادت، زکوٰۃ دینے کا حکم ہوا تو زکوٰۃ دینا عبادت، حج کرنے کا حکم ہوا تو حج کرنا عبادت، جہاد کرنے کا حکم ہوا تو جہاد کرنا عبادت، کھانے پینے کا حکم ہوا تو کھانا پینا عبادت، سونے کا حکم ہوا تو سونا عبادت، جاگنے کا حکم ہوا جاگنا عبادت،

شادی کرنے کا حکم ہوا تو شادی کرنا عبادت، تجارت کرنے کا حکم ہوا تو تجارت کرنا عبادت، سچ بولنے کا حکم ہوا تو سچ بولنا عبادت، سود اور شراب چھوڑنے کا حکم ہوا تو سود اور شراب چھوڑنا عبادت، حکومت کرنے کا حکم ہوا تو حکومت کرنا عبادت، غرض سر سے لیکر پیر تک اللہ نے جتنے اعضاء و جوارح عطا فرمائے ہیں، ان کو اللہ کو مرضی کے مطابق استعمال کرنا عبادت۔ کائنات میں جتنی شکلیں اور چیزیں ہیں حکم حق کے تقاضہ کے تحت اس کو پورا کرنا عبادت ہے۔

بس یہ یاد رکھئے پہلے عبادت ہے پھر استعانت۔ یعنی پہلے سر جھکانا ہے پھر ہاتھ پھیلانا یہی اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کا سادہ مفہوم ہے۔

حقیقتِ عبادت

عبادت کی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت والد ماجد حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحبؒ نے فرمایا: عبادت یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام اعضاء و جوارح اور جسم و جان، ساز و سامان اور تمام چیزوں کو حکم حق کے تحت بطریقہ نبویہ استعمال کرے اور خاص طور پر زبان کو تعریف خدا میں، دل کو عرفان میں، نفس کو خدمت میں، روح کو مشاہدے میں مشغول رکھے۔

عبادات کے ذیل میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، طواف کعبہ، نذر، منت، قربانی اور دعا وغیرہ ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک عنوان اور موضوع بہت زیادہ تفصیلات کا متقاضی ہے، بلکہ ہر عنوان مستقل کتاب کا متقاضی ہے، اگر ان تمام عنوانات کو چھیڑا گیا تو کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی اس لئے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے استعانت کی تفصیلات کو خصوصیت سے پیش کیا جاتا ہے۔

روایت ابوہریرہؓ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹ لیا ہے، اس میں آدھا کام میرا ہے اور آدھا حصہ میرے بندے کیلئے ہے اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جو طلب کرے، جب بندہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کہتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے، حَمِدَنِیۡ عَبۡدِیۡ یعنی میرے بندے نے میری تعریف کی، جب بندہ اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہتا ہے تو

حق تعالیٰ فرماتے ہیں، اثنی علی عبدی یعنی میرے بندے نے میری ثنا کی اور جب بندہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں، مجدنی عبدی یعنی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں ھذا سواء بی ولعبدی یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جو وہ مانگے اور جب بندہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے وَلَا الضَّآلِّیْنَ تک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب میرے بندے کیلئے ہے، ولعبدی ماسئل اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جو وہ مانگے اور چاہے۔ اس روایت سے بہت سی وضاحت سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ سورۂ فاتحہ بندوں کیلئے حق تعالیٰ کے خصوصی کرم کی دلیل ہے۔

ایاک نعبد!

اِیَّاکَ سے پہلے تینوں جملوں اور آیات میں اللہ کا ذکر غائب کے الفاظ سے ہو رہا تھا، لیکن مذکورہ چاروں صفات کے بعد جب موصوف ذہنوں میں متعین اور متحضر ہو گیا، الفاظ خطاب کی طرف التفات بلیغ ہو گیا اور برہان سے عیان، اور غیب سے شہود کی طرف ترقی ہو گئی۔

عبادت کے معنی انتہائی پستی اور ذلت کے ہیں، طریق معبد کے معنی پامال راستے کے ہیں، عبادت صرف نماز کا نام نہیں ہے بلکہ امام غزالیؒ نے اربعین میں عبادت کی دس قسمیں لکھی ہیں۔

(۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ (۴) حج (۵) تلاوت (۶) دوام ذکراللہ (۷) حلال روزی کیلئے کوشش (۸) پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی (۹) امر بالمعروف (۱۰) نہی عن المنکر۔

ان میں سے ہر عنوان مستقل مضمون بلکہ مستقل کتاب کا متقاضی ہے، اس لئے یہاں ان کی تفصیل نہیں پیش کی جا سکتی، پہلے اِیَّاکَ نَعْبُدُ لایا گیا پھر وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ لایا گیا، اگر یہ ترتیب بدل جاتی تو نسق کلام میں لطافت نہ رہتی۔ دوسری اپنی حاجت وضرورت

پیش کرنے سے پہلے عبادت کو وسیلہ بنانا قبولیت دعا کیلئے مفید ہے، تیسرے یہ کہ بندے نے عبادت کی نسبت جب اپنی طرف کی تو اس میں ایک طرح کا ادعا پایا گیا، اس ایہام کو دفع کرنے کیلئے بعد میں وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ لایا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی توفیق واعانت کے بغیر عبادت بھی لائق پذیرائی نہیں ہو سکتی۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ ان دونوں لفظوں کی جمع لانے میں اشارہ ہے کہ پڑھنے والا اپنے ساتھ رفقا کو بھی شریک درخواست کر لے خواہ وہ محافظ فرشتے ہوں یا نمازی، اس سے اجتماعی عبادت کی اہمیت اور نماز باجماعت کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے اور دونوں جگہ اِیَّاکَ پہلے لانے سے تعظیم، اہتمام اور حصر ہو گیا، اسلیئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کے معنی اس طرح لے رہے ہیں۔

نَعْبُدُکَ وَلَا نَعْبُدُ غَیْرُکَ۔ نَسْتَعِیْنُکَ وَلَا نَسْتَعِیْنُ غَیْرُکَ۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، آپ کے غیر کی نہیں اور ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، آپ کے غیر سے نہیں۔

اور حصر جس طرح عبادت میں مقصود ہے، اسی طرح استعانت میں بھی مطلوب ہے، کیونکہ اللہ ہی معبود و مستعان ہے لیکن کسی نبی، ولی یا اعمال کو وسیلہ قرار دے کر اللہ سے دعا کرنا اس حصر کے خلاف نہیں۔ (انوار القرآن)

استعانت؟؟

استعانت کا لفظ جوں ہی ہماری زبان سے نکلتا ہے عوام چونک پڑتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہنے والے نے ایک نازک مسئلہ چھیڑ دیا ہو، کبھی یہ بحث کفر و ایمان کے درمیان حد فاصل کھینچ دیتی ہے، کبھی سنت و بدعت کے مباحث میں الجھا دیتی ہے، کبھی ضد اور ہٹ دھرمی سے بغض و عناد کو بڑھا دیتی ہے، جاہل تو خیر جاہل ہیں ہی، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بلکہ ہمہ دانی دعویٰ کرنے والے اس سے بھی بڑھ کر علمیت و مشیخیت کی مسند پر براجمان لوگ بھی ایک دوسرے سے دست و گریباں باطل خیالات میں مبتلا اور مفاد پرستی میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

استعانت کے کیا معنی ہیں؟ اس کا شرعی مفہوم کیا ہے، استعانت خدا ہی سے ہوتی ہے، یا غیر خدا سے؟ اگر غیر خدا سے جائز ہے تو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا اقرار کیا ہے؟ اگر جائز

نہیں تو پھر آپس میں معاملت ومناصرت کیا ہے؟ کیا غیر اللہ فاعل حقیقی ہے؟ اگر نہیں ہے تو غیر اللہ کو کرتا دھرتا سمجھنا کونسی عقلمندی ہے؟ کیا غیر اللہ صفاتِ کمالیہ سے بالذات موصوف ہے؟ اگر نہیں تو دوسرے میں کمالات کو ذاتی اصلی سمجھنا کونسی توحید ہے؟ اور اگر اللہ ہی معبود اور رب ہے تو ہزاروں مزارات پر یہ لاکھوں سجدے کیوں ہو رہے ہیں؟ بے شمار عوام کے پیشانیاں شرک کی گرد سے آلودہ کیوں ہو رہی ہیں، یہ لاکھوں سر کروڑوں کے سامنے ٹیکے جانے کو دیکھ کر علامہ اقبال کیوں چیخ اٹھے؟

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ میں بندۂ مومن کی زبان سے وعدہ لیا جا رہا ہے کہ جس طرح اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کے اقرار کے ذریعہ غیر اللہ کے آگے سر جھکانے سے بچنے کا حکم ہے، اسی طرح اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے اقرار کے ذریعہ غیر اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچتے رہنے کا بھی حکم ہے۔

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے استعانت کی حقیقت اپنی ایک دعا میں اس طرح ظاہر فرمائی ہے۔ **اللھم کما صنت وجوھنا ان نسجد لغیرک فصن ایدینا ان تمتد بالسوال لغیرک**۔ یعنی اے اللہ جس طرح تو نے ہمارے چہروں کو تیرے غیر کے سامنے جھکنے سے بچالیا اسی طرح ہمارے ہاتھوں کو سوال کیلئے تیرے غیر کے سامنے پھیلنے سے بچالے، استعانت کی سادہ واقعی اور بہت ہی عمدہ ترتیب ملاحظہ فرمائیے۔

دوشعر

نماز و روزہ و حج و قربانی
اہم ہیں یہ عبادت کے طریقے
دعا ، توبہ ، توکل ، صبر و شکر
اہم ہیں یہ استعانت کے طریقے

☆☆

استعانت خدا ہی سے کیوں؟ فاعل حقیقی کون؟

مضمون کا یہ حصہ ضرورتاً قصداً کچھ تفصیل سے لکھتے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا: مرتبہ صالحیت میں حق تعالیٰ کی معبودیت اور ربوبیت اجمالی کی تصدیق ہوتی ہے، اسی بات کو جب تفصیلی طور پر جانا اور مانا جاتا ہے تو مقام شہادت کہلاتا ہے، جس طرح ہر مرتبہ ومحل کے علمی وعملی تقاضے جدا جدا ہوتے ہیں اسی طرح سالکین علم طریقت کے ہاں اس مرتبہ کے کچھ علمی وعملی اعتبارات ہیں، جس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ کے ارادے اور مشیت کے بغیر نہ اشیاء سے آثار نمایاں ہوتے ہیں نہ اشخاص سے افعال سرزد ہوتے ہیں، کیوں؟

اس لئے کہ حق تعالیٰ ہی ہمارے اور ہمارے افعال کے خالق ہیں، جیسا کہ خود قرآن مجید میں کہا گیا ہے وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی تمہارے اور تمہارے اعمال کے اللہ ہی خالق ہیں، اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے، بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز اسی کے اقتدار واختیار میں ہے۔

ان مذکورہ نصوص صریحہ سے یہ ثابت وواضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی فاعل حقیقی ہیں اور اللہ کیلئے فعل ذاتی ہے بندے کی طرف فعل کی نسبت امانتی ہے، بندہ اپنے اختیار کے استعمال میں اللہ کے فعل تخلیق کا محتاج ہے اور اللہ کے فعل تخلیق سے بندے کے اعمال کا ظہور ہوتا ہے اور بندہ فعل تخلیق میں اللہ کا محتاج ہونے کا سبب کہلاتا ہے اور اس کے فعل کو کسب کہا جاتا ہے۔ بندے کی ذات میں قبولیت فعل الٰہی کی جو استعداد ہے اسی کا نام وسعت واختیار ہے، جس کی وجہ سے بندہ اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب پر مکلّف کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ فعل کا تعلق قوت وارادے سے ہے اور قرآن سے کھلے طور پر ثابت ہے کہ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اللہ کی ذات ہے اور يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ کا لفظ بھی بتلاتا ہے کہ حیات وممات کے عطا کرنے والے وہی ہیں۔ اور اِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کے الفاظ قرآنی بتلاتے ہیں کہ علم اللہ کی اصلی ازلی صفت ہے اور اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ کا لفظ بتلاتا ہے کہ اللہ اپنی ساری مخلوقات کو قبل تخلیق اور بعد تخلیق جانتا ہے اور اِنَّ اللهَ يَفْعَلُ مَايَشَآءُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ اور اس جیسے قرآنی جملے نشاندہی کرتے ہیں کہ اللہ ارادے کے مالک حقیقی ہیں اور اِنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور ان

جیسے قرآنی جملے اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ قدرت رکھنے والی ذات اللہ کی ہے۔ چونکہ یہ صفا کمال حق تعالیٰ ہی کے ہیں، اسلئے یہ بات مسلم ہے کہ بندے سے فعل کا صدور اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے عطا نہ کی جائیں۔ لہٰذا اب یہ بات سمجھنی مشکل نہ ہوگی کہ بندہ ہر گھڑی اللہ کا محتاج ہے اور رب اپنی ربوبیت کے ذریعہ اس بندے کے احتیاج دور کرتا ہے اور اپنے تمام کاموں کے ظہور اور اس کی تکمیل کیلئے حق تعالیٰ کا محتاج ہے، اسی لئے اس مرحلہ میں لَا رَبَّ اِلَّا اللہ کے کلمے کی فہم دی جاتی ہے اور باعتبار تخلیق فعل حق مقصود ٹھہرا، اس لئے لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللہ کی فہم اسی مرحلہ میں دیتے ہیں اور حکم یوں لگایا جاتا ہے کہ اگر فعل کی نسبت غیر حق کی طرف کی جائے تو شرک حقیقی لازم آتا ہے اور تخلیق فعل کی نسبت حق کی طرف ہو تو توحید فعلی پر قائم رہتا ہے۔

توحید افعالی کے قرآنی دلائل

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ عَلٰى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ اَفَرَاَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ اَفَرَاَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ (پ ۲۷ ع ۱۴)

اللہ رب العزت نے صرف ایک سورۃ، سورۂ واقعہ میں بہت سی آیات میں اپنے فاعل حقیقی ہونے کا ذکر فرمایا ہے، اپنی قدرت کے جلوے دکھا کر فطرت انسانی کو حقیقت نفس الامری کے قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ قرآن کی روشنی میں انفسی سیر اور وجدانی مشاہدات کے ذریعہ توحید افعالی کا تذکرہ کس خوبی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

تم جو منی پہنچاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو، یا ہم؟ موت ہم نے تمہارے لئے مقدر کردی، ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہارے جیسے اور پیدا کردیں اور تمہاری صورتیں ہی بدل دیں، اپنی پہلی پیدائش بھی جانتے ہو پھر تمہاری عقل کہاں چلی گئی۔

اپنے بونے کو دیکھتے نہیں، اس کو تم اگاتے ہو یا ہم؟ ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کردیں، کہتے ہو کہ ہم پر ٹیکس تاوان لگ گیا، بلکہ محروم ہوگئے۔ اپنا پیا جانے والا پانی بھی کیا تمہاری نظروں میں نہیں، اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں پھر تم شکر گذار کیوں نہیں ہو؟ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم بناتے ہو یا ہم؟

ہم نے اس کو نصیحت اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنائی ہے، کیا تم اس کلام کو سرسری سمجھتے ہو اور تکذیب کو اپنی غذا بناتے رہتے ہو، جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے اس وقت تم ٹکٹکی باندھے ہو ہم اس شخص کے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں اگر تمہارا حساب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو کیوں لوٹا نہیں لاتے اگر تم سچے ہو۔ یہ ایک تحقیقی اور یقینی بات ہے۔

پس توحید فعلی کے یہ بے شمار ثبوت بتلاتے ہیں کہ اصلی قدرت و طاقت رکھنے والی ہستی اللہ ہی کی ہے۔

توحید فی الافعال کے استدلال قرآنی

سورہ نجم کی حسب ذیل آیات توحید فی الافعال کو سمجھنے میں کافی مدد دیں گے، پڑھئے اور سمجھئے!!

وَاَنَّہٗ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی ۝ اَنَّہٗ ھُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَا ۝ وَاَنَّہٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ۝ مِنْ نُّطْفَۃٍ اِذَا تُمْنٰی ۝ وَاَنَّ عَلَیْہِ النَّشْاَۃَ الْاُخْرٰی ۝ وَاَنَّہٗ ھُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی ۝ وَاَنَّہٗ ھُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ۝ وَاَنَّہٗ اَھْلَکَ عَادَنِ الْاُوْلٰی وَثَمُوْدَ فَمَآ اَبْقٰی ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّھُمْ کَانُوْا ھُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی ۝ (پ۲۷ ع۷)

اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ وہی دونوں قسم یعنی نر و مادہ نطفہ سے بناتا ہے جب رحم میں ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا

حسب وعدہ اس کے ذمہ ہے اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ دے کر محفوظ اور باقی رکھتا ہے اور یہ کہ وہی شعریٰ ستارے کا مالک ہے اور یہ کہ اس نے قدیم قوم عاد کو اس کے کفر کے سبب ہلاک کیا اور ثمود کو بھی ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کیا، بیشک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے۔

ان آیتوں سے واضح ہے کہ وہی ہنسانے والے، وہی رلانے والے، وہی زندہ کرنے والے اور وہی مارنے والے۔ مذکر و مونث کو پیدا کرنے والے وہی، غنی بنانے والے ہی، فقیر بنانے والے وہی، ختم کرنے والے وہی، اور باقی رکھنے والے وہی، خدا کرے کہ یہ توحید فعلی کی یہ منصوص آیات انکشاف حقائق کا ذریعہ بنیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم خلق فعل اور کسب فعل میں فرق مراتب کا خیال رکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ کے فاعل حقیقی ہونے کے اور دلائل

(۱) سورۂ صٰفّٰت میں ہے۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ ہی نے پیدا کیا تم کو اور تمہارے اعمال کو معلوم ہوا کہ اشخاص اور افعال و اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتے ہیں۔

(۲) اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (زمر)...... یعنی اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، ظاہر ہے کہ شیٔ عام ہے اس کا اطلاق افعال و اعمال پر بھی ہوگا۔

(۳) سورۂ نساء کی ایک آیت میں کہا گیا ہے: قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔ آپ کہہ دیجئے اے محمد ﷺ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی بہ لحاظ تخلیق خیر و شر کا ظہور اللہ ہی کی طرف سے۔

(۴) سورۂ دہر میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ یعنی تم نہیں چاہتے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہیں۔

(۵) مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ اور جو تجھے بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

(۶) اسی طرح سورۂ کہف میں ہے کہ وہ قوت کا مالک ہے اور فعل کا تعلق چونکہ قوت و ارادے سے ہے، لہٰذا فَعَّالُ لِّمَا یُرِیْدُ اور لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کی آیات کے یہ حصے بتلاتے ہیں کہ خلق فعل کی نسبت اللہ کی جانب کی جانی چاہئے۔ اسی بنیاد پر قرآن مجید میں سورۂ آل عمران کی اس آیت کے پڑھنے سے ایمان و یقین میں مزید قوت پیدا

ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ **قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرِ** ۔سورہ آل عمران کی اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ اے اللہ تمام ملک کے مالک آپ جس کو چاہیں ملک دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں جس کو چاہیں عزت دیتے ہیں جس کو چاہیں ذلیل کر دیتے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں بھلائی ہے۔ نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

سلوک الی اللہ کی یہ دوسری منزل میں اپنی اور دیگر مخلوق کی مملوکیت ومحکومیت میں حق تعالیٰ کی مالکیت وحاکمیت کا استحضار ہے تا آنکہ اپنی مالکیت وحاکمیت فنا ہو جائے۔ دوسری منزل منزلِ ملکوت میں جو اس کتاب کا اہم حصہ ہے، اشیاء کے آثار اور اشخاص کے اعمال میں حق تعالیٰ کے افعال کا مشاہدہ ہے اس کی مشق اور اس کا مجاہدہ اتنا ہونا چاہئے کہ اپنی اور مخلوقات کی احتیاج واضح ہو جائے اور حق تعالیٰ کی ربوبیت وفاعلیت کھل جائے۔ تخلیق فعل کی نسبت خلق کی طرف نہ رہے۔ یا دوغفلت کی وجہ سے بین الشھدا، درجات رہیں گے، مگر ایمان وتصدیق سے مقام شہادت حاصل ہو جانے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ فعل وقوت کو مخلوق کا ذاتی سمجھنا اس مقام کا شرک ہے، جس کو شرک خفی فرمایا گیا ہے، یہ شرک مانع درجات جنت ہے، یہاں مخلوق کے کسبیات کا یا اپنے کسب کا انکار کرنا اس مرتبہ کا کفر ہے۔ تخمین وظن کی موشگافیوں میں مبتلا ہو کر وساوس شیطانی میں جبر وقدر کے مباحث پیدا کرنا بدعت ہے یا دوتوجہ بحق اس مقام کا حسنہ اور توجہ بہ غیر حق غفلت وفسق ہے۔ ملکوت کا لفظ ملک سے بنا ہے جس کے معنی فرشتے کے آتے ہیں چونکہ راہ طریقت کا سالک عملاً فرشتوں سے مشابہ ہو جاتا ہے، اس لئے اس منزل کو منزلِ ملکوت کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق تو مٹی سے ہوئی ہے اور فرشتے نور سے پیدا ہوئے ہیں تو انسان کی ملائکہ سے مشابہت کیسے ہو سکتی ہے؟

اس کو سمجھنے کیلئے قرآن کی اس آیت پر غور فرمائیے جس میں فرمایا گیا ہے **یَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَ** یعنی انہیں جس بات کا حکم دیا جاتا ہے بلا چوں وچرا حکم حق کی تعمیل کرتے ہیں اس

طرح ایماندار اور مسلمان کے عمل پر غور کیجئے وہ بھی وہی عمل کرتا ہے، جس کا حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے لہٰذا انسان فرشتوں کی سی صفات کا آئینہ دار بن جاتا ہے، دوسرے یہ کہ ملکوتی وصف کے اعتبار سے سرعت سیری بھی ہے اسی طرح انسان بھی خاص مفہوم میں سریع السیر ہوتا ہے۔

ایک مثال

فٹ بال کثیف ہے مگر ہوا لطیف ہونے کے باوجود اس میں مقید ہے، سائنسدانوں نے ہوا جیسی لطیف چیز کو مقید کرنے ایک لطیف چیز بلاڈر کو تیار کیا، اس طرح فٹ بال اچھلنے اور سریع السیر ہونے کے قابل ہوا۔ اسی طرح انسانی جسم کثیف ہے اس میں ایک الطف چیز روح انسانی ہے، اس کو مقید کرنے کیلئے ایک درمیانی بلاڈر تیار کیا گیا ہے، اسے جسم مثالی کہتے ہیں اس طرح روح اس میں مقید ہوئی اور عالم خواب پر غور کیجئے کہ کس طرح انسان اپنے جسم مثالی کے ساتھ سریع السیر ہو جاتا ہے۔

بندے کی یہ احتیاجی نسبت جس قدر واضح ہوگی، حقیقت کھل جائے گی کہ موت وحیات، نفع وضرر، فقر وغنا، عزت و ذلت، منع وعطا اللہ ہی کے قبضہ و اختیار میں ہے، وہ فاعل ومختار مطلق ہے جو چاہے کرسکتا ہے، جب یہ حقیقت منکشف ہونے لگتی ہے تو بے شمار امور اس کی زندگی میں حال بن کر داخل ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً دعا، توبہ، توکل، صبر، شکر وغیرہ اس کا خصوصی حال بن جاتے ہیں۔ اگر محض علم نہیں بلکہ تحقیق ہوگئی ہے کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہیں تو استعانت کے طریقے آسان ہو جاتے ہیں، اور ہم اپنے تمام امور اس کے تفویض کرنے میں خوشی سے آمادہ ہو جائیں گے۔ جب قلب میں یہ یقین بیٹھ جائے کہ ہر شئ میں اثر وقوت وحرکت حق تعالیٰ ہی پیدا کرتے ہیں اور میری اقتضاء فطرت کے عین مطابق افعال کی تخلیق فرما رہے ہیں۔ میرا اقتضا میرا اختیار ہے لیکن فعل کی تخلیق اللہ کی جانب سے ہوری ہے، اس لئے اسباب قطعیہ کے استعمال واختیار کا مجھے علم ہے۔ حکم کے تحت میں ان کو استعمال کرنا جانتا ہوں کہ بھوک کی تشفی کیلئے نوالہ کا اٹھانا اور اس کا چبانا اور حلق سے نیچے اتارنا قطعی ضروری ہے توکل یہاں ترک عمل یا تعطل کا نام نہیں، علم وحالت کا نام ہے، قلبی کیفیت کا نام ہے، اس یقین کا نام ہے کہ ہاتھ میں حرکت، قدرت فعل سب حق ہی کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں، ان کی مشیت اور ارادے سے پیدا ہوتے ہیں، وہ چاہیں تو نوالہ منہ تک نہ پہنچے، ہاتھ

شل ہو جائے، کھانا بھی چھن جائے، نظر ان کے فعل پر ہے ہے خصوصی فضل پر ہے۔

دادا پیر حضرت شاہ محمد حسینؒ (ناظم عدالت ونپرتی) خلق فعل کسب فعل کے فرق کو سمجھاتے ہوئے اللہ کی مراد پر راضی ہونے اور راضی برضائے الٰہی ہونے کو سمجھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ: حق تعالیٰ کا جو بھی سلوک ہمارے ساتھ میں ہے وہ حکیم ہیں، تحت حکمت ہے، عادل ہیں، تحت عدل ہے۔ رحیم ہے، باقتضاء رحمت ہے ہم ان کے محبوب ہیں، براہ رحم ہے جو سلوک اس قدر جمالی نسبتوں کے ساتھ ہو وہ قطعاً بجا اور درست ہے اور سمجھنے اور کہنے کے قابل ہے، اصحاب یمین کا یہ بلند ترین مقام ہے، رضا بالقضا کو سمجھنے میں بڑی غلطی کی جارہی ہے، کہا جاتا ہے کہ سعی اور دعا منافی رضا ہیں، حالانکہ قضاء وہ فعل الٰہی ہے جو کسی نہ کسی صورت سے ظہور میں آئے گا رضا کا تعلق فعل الٰہی سے ہے، نہ کہ صورت مقضی بہ سے۔

مجھ پر دو حق ہیں، اللہ کا اور اللہ کی مخلوق کا۔ میری اپنی صورت بھی اللہ ہی کی مخلوق کی ہے، اللہ کا حق یہ ہے کہ میں ان کے ہر فعل پر راضی رہوں اور صورت (مخلوق) کا حق یہ ہے کہ جس صورت سے قضا کا ظہور ہوا ہے اس کے دفعیہ کیلئے تحت امر جدو جہد اور اللہ سے دعا کرتا رہوں جو منافی رضا نہیں، مثلاً ایک ہاتھ میں زہر سرایت کر جاتا ہے، ڈاکٹر آپریشن کرتے ہیں، آپریشن سے قبل راضی ہے آپریشن سے جو زخم پیدا ہو جاتا ہے اس کو مندمل کرنے کیلئے تدابیر اختیار کرنا منافی رضا نہیں۔

حکیم نے کڑوی دوا پلائی ہے، دوا کے اثر اور فعل حکیم سے قطعاً رضا ہے مگر دوا کی تلخی و ناگواری کو رفع کرنے کیلئے خوش ذائقہ اشیاء کا استعمال اس رضا کے منافی نہیں ہوسکتا، ان ہی غلط فہمیوں کی وجہ سے آج دین ہمارے لئے مشکل ہو کر رہ گیا ہے، حق تعالیٰ نے جس حال میں ہم کو رکھا ہے وہی ان کی مراد ہے، اور تحت امر جدو جہد کرنا اور دعا کرنا بھی حق کی مراد ہے اور اللہ کی مراد کو اپنی مراد بنالینا ہی رضا بالقضا ہے، اس مقام پر فائز ہونا انتہائی سعادت اور موجب غنا قلبی ہے۔

وارض بما قسم اللہ لک تکن اغنی الناس (مشکوۃ)

اس مرتبہ دوم میں فعل کی حقیقت سمجھائی جاتی ہے اس طور پر کہ فعل کی حقیقت حرکت ہے اور حرکت کی دو نسبتیں ہیں، ایک حق کی طرف ہے جسے نسبت الٰہیہ کہتے ہیں اور دوسرے

خلق کی طرف سے ہے جسے نسبت عبدیہ کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس مرحلہ میں خلق فعل اور کسب فعل کا فرق خوب اچھی طرح پیش نظر رکھنا چاہئے کیونکہ اس موقع پر خطرات بھی لگے ہوتے ہیں۔ نیز اس مرحلہ میں اس بات کا جاننا اور سمجھنا لازم ہے کہ فعل کے ظہور کیلئے چار صفات کا ہونا ضروری ہے۔

(۱)حیات۔ (۲)علم۔ (۳)ارادہ۔ (۴)قدرت۔

اگر ان میں سے ایک بھی نہ رہے تو فعل صادر نہیں ہوسکتا اور آیات قرانیہ سے منصوص طور پر معلوم ہے کہ حیات کے دینے والے اللہ ہیں، علم کے دینے والے اللہ، ارادہ کے دینے والے اللہ، قدرت کے دینے والے اللہ، لہٰذا یہ بات طے ہے کہ بندہ سے فعل اس وقت تک صادر نہیں ہوسکتا جب تک اللہ کی طرف سے یہ صفات عطا نہ کی جائیں۔

خلق وکسب میں راہ حق

اگر چہ کسب افعال کا مسئلہ بہت صاف ہے لیکن جب تک سر کسب کو نہ سمجھو تے تو اس وقت تک یہ مسئلہ کما حقہ واضح نہیں ہوتا لیکن اتنا یاد رکھئے کہ تمہارے جن افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب نہیں ہوسکتی وہ تمہارے ہی افعال ہیں، جن کو کسب کہتے ہیں مثلاً کھانا، پینا، چلنا پھرنا، پیشاب پاخانہ، رونا ہنسنا، سونا اونگھنا وغیرہ اس طرح کے جتنے افعال ہیں جو تم سے صادر ہوتے ہیں، ان کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب کی جائے گی تو کفر ہوگا اگر چہ یہ بات طے ہے کہ تمہارے تمام افعال حق تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ظہور میں آتے ہیں پس اپنے ہر فعل کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف اس فعل کی تخلیق کا ادراک رکھو۔ حق تعالیٰ کے فعل تخلیق کے اعتبار سے راضی برضا وراضی بہ قضا رہو اور مخلوق کے فعل کے اعتبار سے رنج وشکوہ انتقام ناپسندیدگی جو مناسب حال ہو ظاہر کر سکتے ہو۔

جنہوں نے اپنی کسبیات کا انکار کیا وہ جبری ہوگئے، برخلاف اس کے جنہوں نے اللہ کے تخلیق افعال کا انکار کیا اور خود اپنے کس مستقلاً خالق فعل سمجھا وہ قدری ہوگئے یہ دونوں فرقے گمراہ ہیں، اہل سنت حق تعالیٰ کو خالق فعل اور بندہ کو کاسب فعل قرار دیتے ہیں یہی راہ حق ہے۔

استمداد کی یہ شکل؟

انبیاء واولیاء سے اس طرح دعا کرنا کہ آپ میرا کام کر دیں اولاد دیں نوکری پر لگائیں،

مقدمہ میں کامیاب کردیں، تو اس طرح سے دعا کرنا جائز نہیں، قاضی ثنا اللہ پانی پتیؒ نے مالابدمنہ میں اسی کی وضاحت فرمائی ہے۔ ارشادالطالبین میں مذکور ہے کہ دعا ھو العبادة کہ جب دعا عبادت ہے تو غیر کیلئے کب جائز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی نے بھی اس طرح اولیاء اور اہل قبور سے مانگنے کو مشرکانہ جرم قرار دیا ہے۔ مجمع بحارالانوار میں علامہ محمد طاہر نے کہا کہ علماء اسلام میں کوئی نہیں جو اس کو جائز قرار دے۔ مجالس الابرار میں ہے، استغاثه بهم وسوالهم النصر والرزق والعافيه والولد وقضا الديون وتفريح الكربات وغير ذلك من الحاجات اللتى كان عباد الاوثان يسالونها من اوثانهم وليس شئى منها مشروعا باتفاق ائمة المسلمين۔

یعنی اہل قبور سے فریاد کرنا اور ان سے مدد مانگنا اور روزی، تندرستی اور اولاد اور ادائے قرض اور مصیبتوں سے نجات کی دعا کرنا اور ان کے علاوہ اور اسی قسم کی حاجتیں مانگنا جیسے کہ بت پرست اپنے بتوں سے مانگتے ہیں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بات جائز نہیں (مجلس۔۱۷۔۱۱۹)

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے بیٹے کو بوقت وصیت خصوصیت سے فرمایا:

عليك بتقوى الله وطاعة ولاتخف احدا ولاتوجه وكل الحوائج كلها الى الله واطلبها منه ولاتثق باحدى سوى الله ولاتعتمد عليه سبحانه التوحيد التوحيد التوحيد (ملفوظات مع فتح ربانی)

یعنی تم پر لازم ہے کہ خوف خدا دل میں رکھو اس کی طاعت کرتے رہو، اللہ کے سوا کسی کا خوف تمہارے دل میں نہ ہو، اللہ کے سوا کسی سے امید نہ لگاؤ، اپنی تمام حاجتیں اللہ کے سپرد کرو، اسی سے اپنی ضرورتیں مانگو۔ اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ رکھو، بھروسہ صرف اسی ایک ذات پر ہو اس کی ذات تمام عیبوں سے پک ہے، دیکھو توحید توحید توحید!!

استعانت کی تفصیل

(۱) ایک مدد تو مادی اسباب کے تحت ہر انسان دوسرے انسان سے لیتا ہے اس کے بغیر اس دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا، صنعت کار اپنی صنعت کے ذریعہ مزدور، معمار، بڑھئی، لوہار، سب مخلوق کی مدد میں لگے ہوئے ہیں اور ہر شخص ان سے مدد لینے پر مجبور ہے، ظاہر ہے

کہ یہ کسی دین اور شریعت میں ممنوع نہیں ہے وہ اس استعانت میں داخل نہیں جو اللہ کے لئے مخصوص ہے۔اسی طرح غیر مادی اسباب کے ذریعہ کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ لے کر براہ راست اللہ سے دعا مانگنا روایاتِ حدیث اور اشاراتِ قرآن سے اس کا جواز ثابت ہے وہ بھی اس استعانت میں داخل نہیں جو صرف اللہ کیلئے مخصوص ہے۔

(۲) اب وہ مخصوص استعانت و استمداد جو اللہ کے ساتھ خاص ہے اور غیر اللہ کیلئے شرک ہے کونسی ہے؟ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ کے سوا کسی فرشتہ یا پیغمبر یا ولی یا کسی اور انسان کو خدا کی طرح قادر مطلق اور مختار مطلق سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگے، یہ تو ایسا کھلا کفر ہے کہ عام مشرکین اور بت پرست بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں، دوسری وہ قسم ہے جس کو کفار اختیار کرتے ہیں اور قرآن اور اسلام اس کو باطل اور شرک قرار دیتا ہے۔اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں یہی مراد ہے کہ ایسی استعانت ہم اللہ کے سوا کسی سے نہیں چاہتے وہ یہ ہے کہ اللہ کی کسی مخلوق فرشتے یا پیغمبر یا ولی یا کسی دیوتا کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اگرچہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور کامل اختیارات اسی کے ہیں لیکن اس نے اپنی قدرت و اختیار کا کچھ حصہ فلاں شخص کو سونپ دیا ہے اور اس دائرے میں وہ خود مختار ہے، یہی وہ استعانت و استمداد ہے جو مومن و کافر میں فرق کرتی ہے، اسلام اور کفر میں امتیاز کرتی ہے۔قرآن اس کو شرک وحرام قرار دیتا ہے، بت پرست مشرکین اس کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔

عموماً دھوکہ یہاں سے ہوتا ہے

اس معاملہ میں دھوکہ یہاں سے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے فرشتوں کے ہاتھوں دنیوی نظام کے بہت سے کام جاری کئے ہیں، دیکھنے والا اس مغالطہ میں پڑسکتا ہے کہ اس فرشتے کو اللہ نے یہ اختیار سپرد کیا ہے، یا بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ سے ایسے کام وجود میں آتے ہیں، جو عام انسانوں کی قدرت سے خارج ہیں جن کو معجزات کہا جاتا ہے، اسی طرح اولیاء اللہ کے ذریعہ ایسے بہت سے کام وجود میں آتے ہیں، جن کو کرامات کہا جاتا ہے۔ یہاں سرسری نظر والوں کو یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کی قدرت واختیار ان کو سپرد نہ کرتا تو ان سے کیسے وجود میں آتے؟ اس سے وہ ان انبیاء اور اولیاء کو ایک درجہ میں مختار کار ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں، حالانکہ حقیقت یوں نہیں

ہے بلکہ معجزات وکرامات براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، صرف ان کا ظہور پیغمبر یا ولی کے ہاتھوں پر ان کی عظمت ثابت کرنے کیلئے کیا جاتا ہے، پیغمبر اور ولی کا اس کے وجود میں آنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا قرآن کی بے شمار آیات اس پر شاہد ہیں، مثلاً آیت وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی میں رسول کریم ﷺ کے اس معجزے کا ذکر ہے جس میں آپ نے دشمن کے لشکر کی طرف ایک مٹھی کنکریاں پھینکی اور اللہ کی قدرت سے سارے لشکر کی آنکھوں میں وہ جا لگیں اس کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں، جس سے معلوم ہوا کہ معجزہ نبیؐ کے واسطے سے صادر ہوتا ہے وہ درحقیقت اللہ کا فعل ہوتا ہے۔

دو استدلال

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں وہ بلا لیجئے تو انہوں نے فرمایا: اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَآءَ (ہود) یعنی معجزہ کے طور پر آسمانی عذاب نازل کرنا میرے قبضہ میں نہیں اللہ اگر چاہے گا تو یہ عذاب آجائے گا پھر تم اس سے بھاگ نہ سکو گے۔

سورۂ ابراہیم میں انبیاء اور رسل کی ایک جماعت کا یہ قول ذکر فرمایا ہے۔ مَا کَانَ لَنَا اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطَانٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ یعنی کسی معجزہ کا صادر کرنا ہمارے ہاتھ میں نہیں، اللہ کے اذن ومشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، اس وجہ سے کوئی پیغمبر یا کوئی ولی جب چاہے جو چاہے معجزہ یا کرامت دکھا دے یہ قطعاً کسی کے بس میں نہیں۔ رسول کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے معین معجزات کا مطالبہ مشرکین نے کیا مگر جس کو اللہ نے چاہا ظاہر کردیا اور جس کو نہ چاہا نہیں ہوا، پورا قرآن اس کی شہادتوں سے بھرا ہوا ہے۔

ایک محسوس مثال

ایک محسوس مثال سے اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ آپ جس کمرہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اس میں بجلی کی روشنی بلب سے اور ہوا برقی پنکھے سے پہنچ رہی ہے مگر یہ بلب اور پنکھا اس روشنی اور ہوا پہنچانے میں قطعاً خودمختار نہیں بلکہ ہر آن اس جوڑ اور کنکشن کے محتاج ہیں، جو تار کے ذریعہ پاور ہاؤس کے ساتھ ان کو حاصل ہے ایک سکنڈ کیلئے یہ جوڑ ٹوٹ جائے تو نہ بلب آپ کو روشنی دے سکتا ہے، نہ پنکھا ہوا دے سکتا ہے کیونکہ درحقیقت وہ عمل بلب اور پنکھے کا ہے ہی

نہیں بلکہ بجلی کی رَو کا ہے جو پاور ہاؤس سے یہاں پہنچ رہی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ اور سب فرشتے ہر عمل میں ہر کام میں ہر آن حق تعالیٰ کے محتاج ہیں، اس کی قدرت ومشیت سے سب کام وجود میں آتے ہیں، اگرچہ ظہور اس کا بلب اور پنکھے کی طرح انبیاء اور اولیاء کے ہاتھوں پر ہوتا ہے، اس مثال سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان چیزوں کے صدور اور وجود میں......

ضروری وضاحت اور دائرۂ ادب

اگرچہ اختیار انبیاء اور اولیاء کا نہیں مگر ان کا وجود ان سے بالکل بے دخل بھی نہیں جیسے بلب اور پنکھے کے بغیر آپ کو روشنی اور ہوا نہیں پہنچ سکتی یہ معجزات وکرامات بھی انبیا اور اولیاء کے بغیر نہیں ملتے، اگرچہ یہ فرق ضرور ہے کہ پوری فٹنگ اور کنکشن درست ہونے کے باوجود آپ کو بغیر بلب کے روشنی اور بغیر پنکھے کے ہوا کا ملنا عادتاً ناممکن ہے اور معجزات و کرامات میں حق تعالیٰ کو سب کچھ قدرت حاصل ہے کہ بغیر واسطہ کسی پیغمبر وولی کے بھی اس کا ظہور فرمادیں مگر عادتاً اللہ یہی ہے کہ ان کا صدور بغیر کسی واسطے انبیاء اور اولیاء کے نہیں ہوتا کیونکہ ایسے خوارق وعادت کے اظہار سے جو مقصود ہے وہ اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام

اس لئے معلوم ہوا کہ عقیدہ تو یہی رکھنا چاہئے کہ سب کچھ اللہ کی قدرت ومشیت سے ہو رہا ہے اس کے ساتھ انبیاء اور اولیاء کی عظمت وضرورت کا بھی اعتراف ضروری ہے اس کے بغیر رضائے الٰہی اور اطاعت احکام خداوندی سے محروم رہے گا جس طرح کوئی شخص بلب اور پنکھے کی قدر نہ پہچانے اس کو ضائع کردے تو روشنی اور ہوا سے محروم رہتا ہے، وسیلہ استعانت اور استمداد کے مسئلہ میں بکثرت لوگوں کو اشکال رہتا ہے، امید ہے کہ اس تشریح سے اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء اور اولیاء کو وسیلہ بنانا نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز بلکہ اس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے کہ کسی کو مختار مطلق سمجھ کر وسیلہ بنایا جائے تو شرک وحرام ہے اور محض واسطہ اور ذریعہ سمجھ کر کیا جائے تو جائز ہے، اس میں عام طور پر لوگوں میں افراط وتفریط کا عمل نظر آتا ہے۔ (معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت اور صراط مستقیم پر لائے۔

وسیلہ کا جواز

اللہ سے اپنی حاجت طلب کرنے میں کسی نبی ولی کا وسیلہ لینا اور اس طور پر کہنا کہ اے اللہ فلاں نبی یا ولی کے وسیلہ سے میری حاجت پوری فرما اور یہ مقصد پورا فرما اس طرح کہنا جائز ہے۔ وسیلہ دراصل اللہ کی وہ رحمت ہے جس سے خدا کا مقبول بندہ نوازا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوجاتا تو حضرت عباسؓ کے توسل سے بارش کی دعا مانگتے اور کہتے۔ **اللھم انا نتوسل الیک نبینا فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبیک فاسقنا فیسقوا** (بخاری) یعنی اے اللہ ہم آپ کے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور ان کا واسطہ دے کر تجھ سے دعا کیا کرتے تھے خداوند آپ ہماری التجا قبول کرتے اور بارش برسا دیا کرتے تھے، اب آپ کے نبیؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے ذریعہ سے آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں ہم پر بارش نازل فرمایئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباسؓ کا واسطہ دے کر اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بارش ہوجاتی تھی۔ (مشکوۃ)

ہمارے حضرات اس قسم کے وسیلہ کے قائل ہیں اور ان کا عمل یہی رہا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی وسیلہ سے دعا فرماتے تھے۔ (مکتوبات ص ۲)

شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں آپ ﷺ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا ہے بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہئے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہوسکتی ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلامؒ)

حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔ اہل طریق میں مقبولانِ الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے۔ حدیث سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے، مشکوٰۃ میں امیہ سے روایت ہے کہ نبیؐ فتح کی دعا بتوسل فقراء مہاجرین کیا کرتے تھے۔ (التکشف) نیز امداد الفتاوی میں ہے، توسل دعاء میں مقبولان حق کا خواہ وہ احیاء ہوں یا اموات ہوں درست ہے، قصہ استسقاء میں حضرت عمرؓ کا توسل حضرت عباسؓ سے، قصہ ضریر میں توسل جناب رسول اللہ ﷺ سے بعد وفات نبوی احادیث میں وارد ہے اس لئے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے لکھا ہے کہ طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم، ابونعیم اور بیہقی نے امیر المومنین حضرت عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام

سے خطا سرزد ہوئی تو اپنی دعا اور توبہ میں حضرت رسول محبوبؐ کے وسیلہ سے عرض کیا کہ اے اللہ میں تجھ سے بحق حضرت محمد ﷺ سوال کرتا ہوں کہ میرے گناہ کو بخش دے تو اللہ نے ان کی مغفرت فرمادی۔ (فتح العزیز، فتاوی رحیمیہ ج ۲)

(۱) سورہ مائدہ میں جس ''الوسیلہ'' کا ذکر ہے اس سے مراد ایمان اور وہ طاعات وقربانیاں ہیں جس سے قرب خداوندی نصیب ہوتا ہے۔

(۲) اذان کے بعد والی دعا میں الوسیلۃ سے مراد حضور کا جنت میں خصوصی مقام یا وہ مقام ہے جہاں کھڑے ہوکر امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

(۳) براویت ابن عمر حضورؐ سے پتھر اور غار والے جن تین حضرات کا قصہ منقول ہے اس سے توسل بالاعمال کا ثبوت ملتا ہے۔

(۴) توسل باعتبار حکم فرض، واجب اور سنت نہیں بلکہ مباح ہے۔

نوٹ: تفصیلات کیلئے بڑی کتابیں اور اپنے علماء سے رجوع کیجئے۔

☆☆☆

استعانت باعتبارِ ربوبیت کی چند صورتیں

استعانت باعتبار ربوبیت کی چند اہم صورتیں یہ ہیں:

(۱) استعانت باعتبار صلوۃ...... ارشاد ربانی ہے اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ) مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ۔

(۲) استعانت باعتبار صبر جیسا کہ آیت مذکورہ ہی میں نشاندہی کی گئی ہے۔

(۳) استعانت باعتبار رضا بالقضاء، جسے کہ فرمایا گیا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ۔ راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے اور یہ رضا اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس شخص کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

(۴) استعانت باعتبار شکر۔ جیسے فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم) یعنی اگر تم شکر کرو تو ضرور تمہیں نعمت میں اضافہ کروں گا۔

(۵) استعانت باعتبار توکل جیسے فرمایا گیا مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (آلعمران)
یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کیلئے کافی ہے۔

(٦) استعانت بہ اعتبار توبہ جیسے تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی اے اہل ایمان تم سب اللہ کی طرف پلٹو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

(۷) استعانت بہ اعتبار دعا۔ جیسے ارشاد ربانی ہے اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَالْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ (بقرہ)

یعنی جب میرے بندے میری نسبت تم سے دریافت کریں کہ کیونکر وہ مجھ تک پہنچ سکتے ہیں تو بتلاؤ کہ میں ان کے پاس ہی ہوں وہ جب پکارتے ہیں تو میں سنتا ہوں، جواب دیتا ہوں، اس کی دعا قبول کرتا ہوں، اگر واقعی میری طلب رکھتے ہیں تو چاہئے کہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ حصول مقصد میں کامیاب ہوں۔ استعانت کی ہمارے ہاں بہت سادہ اور اہم تفصیلات ہیں خوب غور سے پڑھئے اور سمجھئے۔

جانتے ہیں ہم حقیقت اولیاء اللہ کی
صحبت مولیٰ ہے صحبت اولیاء اللہ کی
اولیاء اللہ سمجھو اولیاء اللہ کو
بس یہی ہے قدر و عزت اولیاء اللہ کی
کفر بدعت، شرک و غفلت سے نکالے خلق کو
ہے یہی اعلیٰ کرامت اولیاء اللہ کی
فیض و برکت ان سے ہر حالت میں حاصل ہو مگر
بے دلالت استعانت اولیاء اللہ کی
اصل ایصال توسل بے شبہ جائز مگر
بے سند ہے نذر ہے نذر و منت اولیاء اللہ کی
اولیاء اللہ کو ہوتا اگر سب اختیار
سب کو مل جاتی ولایت اولیاء اللہ کی

احوال اوراحکام

یوں تو زندگی کے بے شماراحوال ہیں لیکن مجموعی طور سے غور کرنے کے بعد بہت آسانی سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ دنیا میں جتنے انسان ہیں ان سب پر عموماً پانچ حالات گذرتے ہیں، وہ انسان کسی ملک کے رہنے والے ہوں، کسی قوم کے ہوں، کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، بادشاہ ہوں یا فقیر، مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد، عورت ہوں یا مرد، جوان ہوں یا بوڑھے، سب کے سب انہیں پانچ حالات میں زندگی گذار رہے ہیں:

- ☆ پہلی حالت - حاجات ومرادات
- ☆ دوسری حالت - حالت معاملہ (حالات کاروبار)
- ☆ تیسری حالت - حالت گناہ
- ☆ چوتھی حالت - حالت نعمت
- ☆ پانچویں حالت - حالت مصیبت

استعانت مدد مانگنے کو کہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ان حالات میں قرآن وحدیث کے تحت احکام کیا ہیں اور ہم اللہ سے مدد کس طرح مانگیں۔ حاجات میں انسان اپنی بے انتہا عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور اپنی ضرورت ایک کامل القدرت ہستی کے سامنے پیش کرتا ہے، اسی کا نام دعا ہے، حاجتوں میں انسان یہ چاہتا ہے کہ کوئی رحیم وکریم ہستی اس کی حاجتوں کو سن لے اور ان کو پورا کردے، یہی چیز دعا کرنے سے حاصل ہوجاتی ہے۔

دعا کی تفصیل انسان سراپا احتیاجات کا مجموعہ ہے، اس کی حالتیں اختیاری ہوں یا غیر اختیاری وہ بغیر ارادہ الٰہی پوری نہیں ہوسکتیں، لہٰذا انتہائی عاجزی سے اپنا ہر معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کرنا دعا کہلاتا ہے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ **الدعاء هو العبادة** یعنی دعا عبادت ہی ہے گویا دعا کو عبادت کہا گیا ہے یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ **لا يرد القضاء الا الدعا** یعنی قضاء کو دعا ٹال دیتی ہے۔

چند اہم آدابِ دعا

۱۔ کھانے، پینے، پہننے اور اور کمانے میں حرام سے بچنا
۲۔ دل سے یہ سمجھنا کہ اللہ کے سوا کوئی ہمارا مقصد پورا نہیں کرسکتا
۳۔ دعا سے پہلے کوئی نیک کام کرنا
۴۔ پاک وصاف ہوکر دعا کرنا
۵۔ باوضو قبلہ رو، دوزانو بیٹھ کر دعا کرنا
۶۔ دعا کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجنا
۷۔ اپنی عاجزی اور محتاجی کا ذکر کرنا اور اللہ کے کمالات اور صفات کمال وقدرت کا ذکر کرنا
۸۔ دعا میں اختیاری قافیہ بندی اور گانے کی صورت میں دعا کرنے سے بچنا
۹۔ دینی اور دنیوی تمام امور میں جامع دعائیں کرنا بالخصوص ان الفاظ میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور روایات میں مذکور ہیں
۱۰۔ رغبت وشوق اور حضور قلب کے ساتھ دعا کرنا
۱۱۔ الحاح وزاری سے دعا کرنا
۱۲۔ قطع رحمی کی دعا نہ کرے، کسی گناہ کی دعا نہ کرے
۱۳۔ قبولیت دعا میں جلدی نہ کرے
۱۴۔ دعا کرنے والے اور سننے والے دونوں آمین کہیں
۱۵۔ دعا کرتے وقت انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقبول اور صالح بندوں کے ساتھ توسل کرنا چاہیئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اے اللہ ان بزرگوں کے طفیل سے میری دعا قبول فرما
۱۶۔ عدم قبولیت کے آثار پر شکایت نہ کرے
۱۷۔ خدا کی مشیت وحکمت پر دل وجان سے راضی رہے
۱۸۔ دنیا میں نہ ملنے پر آخرت میں ذخیرہ ہونے کا یقین رکھے (جواہر الفقہ)

قبولیت دعا کی تفصیلات

دعاؤں کے سلسلہ میں یہ بات قطعی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی دعا قبول فرما لیتے ہیں، البتہ ان کا ظہور مختلف پہلوؤں سے ہوتا ہے۔

۱۔ اگر کسی بندہ کی مانگی ہوئی چیز اسی وقت دے دینا بندے کیلئے مفید ہو تو اسی وقت قبول فرما لیتے ہیں

۲۔ یا وہ چیز جو بندہ مانگ رہا ہے کچھ دنوں بعد بندے کو ملنا بہتر ہے تو کچھ دنوں بعد وہ مانگ پوری کردی جاتی ہے

۳۔ قبولیت دعا کی ایک صورت یہ ہے کہ بندہ جو چیز مولیٰ سے مانگ رہا ہے اس کی بجائے کوئی بلا ٹال دی جاتی ہے

۴۔ قبولیت دعا کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ بندہ جو چیز مانگ رہا ہے اس کی جگہ کوئی دوسری چیز دیدی جاتی ہے، جیسے خود آپ کا تجربہ ہے کہ بچہ جو چیز مانگتا ہے اس کیلئے مفید ہو تو اسی وقت دیدی جاتی ہے، مثلاً بچہ بسکٹ مانگتا ہے، چاکلیٹ مانگتا ہے یا اس طرح کی کوئی چیز مانگتا ہے اور آپ مناسب جانتے ہیں تو اسی وقت وہ دلا دیتے ہیں اور اگر وہی بچہ آگ کا چمکتا ہوا ڈلہ مانگے اور پکڑنا چاہے یا اس سے کھیلنا چاہے تو آپ ہرگز اس بچہ کو وہ چیز نہیں دیں گے، اسلئے کہ اس میں بچہ کا سراسر نقصان ہے۔

دیکھئے وہی بچہ مٹھائی مانگتا ہے تو آپ اس کو دلا دیتے ہیں اور وہی بچہ جب ہاتھ کی گھڑی کا مطالبہ کرے تو آپ اس کی درخواست قبول نہیں کرتے اور کہتے کہ صاحبزادے یہ آپ کو اس وقت دینے کی نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت آپ کو ضرور دی جائے گی جب آپ میٹرک پاس ہوجائیں گے وغیرہ۔

وہی بچے جس کیلئے آپ نے کسی تعلیمی کامیابی کی شرط لگائی تھی وہی اگر یہ مطالبہ کرنے لگے کہ ابا جان خزانے کی کنجیاں میرے حوالے کردیجئے تو کہا جاتا ہے کہ یہ مطالبہ قابل قبول نہیں، اسی طرح کچھ دعائیں آخری وقت میں قبول ہوتی ہے۔

۵۔ قبولیت دعا کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ آخرت کیلئے ذخیرہ ہوتی ہیں۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ کل قیامت میں ایک بندے آئے گا وہ عرض کرے گا اے اللہ میں نے تو اتنے اعمال صالحہ نہیں کئے تھے، اس کو بتلایا جائے گا کہ یہ تمہاری ان دعاؤں کا بدل ہے جنہیں تم نے مانگا تھا اور دنیا میں اسے حکمۃً پورا نہیں کیا گیا تھا، تب وہ بندہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی تو اچھا تھا، جن کا

بہترین بدل آج دیکھتا اور آج کے دن وہ کام آتیں، دعا کے بارے میں قبولیت کے ان اعتبارات کے سامنے آنے کے بعد ایک مومن اور مسلمان کو مطمئن ہو جانا چاہیے کہ حق نے کیسی کیسی سرفرازی بخشی ہے۔ موضوع کی مناسبت سے ایک موزوں دعا جو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''کلامِ غلام'' میں مذکور ہے ملاحظہ ہو۔

خدا کو بصیرت سے پاتا چلا جا
محمدؐ کو آنکھوں میں لاتا چلا جا
ہو اللہ کے نعرے لگاتا چلا جا
انا اللہ کے اسرار پاتا چلا جا

دعاءِ غلام

مجھے علم و حکمت سے آباد کردے
مرے جہل و ظلمت کو برباد کردے
خودی میری دشمن بنی ہے خدایا
خودی کو مٹا کر مجھے شاد کردے
شمال اور مشرق، جنوب اور مغرب
مجھے ہر جہت سے تو آزاد کردے
ترے ہاتھ میں ہے مرا دل الٰہی
مرے وسوسوں کی جگہ یاد کردے
سبق پھر محبت کا تازہ کریں گے
تو شیریں بن اور مجھ کو فرہاد کردے
کیا منکشف تو نے سر معیت
مگر درد اب وہم و الحاد کردے
غلام محمد کو ضد آگئی ہے
عطا آج کچھ اس کو جواد کردے

مناجات

اے خدائے پاک رحمٰن و رحیم
قاضی حاجات وہاب و کریم
اے الہ العالمیں اے بے نیاز
دین و دنیا میں ہمارے کارساز

تو ہی معبود اور تو ہی مقصود ہے
تیرے ہی ہاتھوں میں خیر و وجود ہے
ہم گنہگار اور تو غفار ہے
ہم بھرے عیبوں سے تو ستار ہے
ہم ہیں بے کس اور تو بیکس نواز
ہم ہیں ناچار اور تو ہے چارہ ساز
تو وہ قادر ہے کہ جو چاہے کرے
جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے
تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے
در تیری رحمت کے ہر دم ہیں کھلے
تیرے در پر ہاتھ پھیلاتا ہے جو
پا ہی لیتا ہے وہ ہر مقصود کو
مانگنا ہم پر کیا ہے تو نے فرض
اور سکھا ہم کو دئے آداب عرض
مانگنے کو بھی ہمیں فرمادیا
مانگنے کا ڈھنگ بھی بتلادیا
ہر گھڑی دینے کو تو تیار ہے
جو نہ مانگے اس سے تو بیزار ہے
ہر طرف سے ہو کے ہم خوار و تباہ
آپڑے اب تیرے در پہ یا الہ
گرچہ یارب ہم سراپا ہیں برے
اب تو لیکن آپڑے در پر ترے
دل میں ہیں لاکھوں امیدیں جلوہ گر
ہاتھ اٹھاتے شرم آتی ہے مگر
تو غنی ہے اور ہم ہیں بے نوا
کون پوچھے گا ہمیں تیرے سوا
ہے تو ہی حاجت روائے دو جہاں
ہم ترا در چھوڑ کر جائیں کہاں
صدقہ اپنی عزت و اجلال کا
صدقہ پیغمبر کا ان کی آل کا
اپنی رحمت ہم پہ اب مبذول کر
یہ مناجات اور دعا مقبول کر

توبہ کی جامع تفصیل

سورہ مائدہ میں حق تعالیٰ نے توبہ کی قبولیت کی دو شکلیں ذکر کی ہیں جو شخص ظلم چھوڑ کر عدل اختیار کرے اور بگاڑ چھوڑ کر اصلاح کا رخ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کریگا۔

اسی طرح سورۂ مریم میں ہے کہ اگر کوئی شخص باطل سے تائب ہو کر اس طور پر ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرے تو ایسے لوگوں کو حق تعالیٰ نے جنت میں داخلہ کی بشارت سنائی ہے۔

ایک جگہ سورۂ توبہ میں ایسے لوگوں کے مستقبل کی کامیابی کی راہ ہموار کرنے کا تذکرہ ہے جو گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، اس کے بعد اعمال صالحہ بالخصوص اِقَامَتِ صَلٰوۃ اور اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃ ان کا وطیرہ ہوتا ہے۔

سورہ ہود میں بتلایا گیا ہے کہ استغفار اور توبہ کرنے پر حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے۔ اسی طرح سورۂ نور میں ہے تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّھُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اس آیت سے توبہ کی اہمیت واضح اور روشن ہے۔

توبہ کے معنی: توبہ کے معنی رجوع کرنے اور دور سے قرب کی جانب لوٹ آنیکے ہیں۔

توبہ کی ابتداء

دل کو پوری طرح آگاہی حاصل ہو جائے کہ گناہ تباہ کر دینے والی چیز ہے اور پھر خوف اور ندامت پیدا ہو کر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی رغبت پیدا ہو جائے اور جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو چھوڑ دے، آئندہ کیلئے اس گناہ سے بچنے کا پختہ ارادہ کرے۔

حقیقت توبہ

محققین کے نزدیک بہ واسطہ ارشاد نبویؐ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ النَّدم توبۃ یعنی توبہ کی حقیقت ندامت ہے۔

توبہ کس کی قبول ہوتی ہے کس کی نہیں؟

اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا - وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتُ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ

وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ - اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (پ ۴ ع ۱۴)

توبہ جس کو قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریبی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، حکمت والے ہیں اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرتے جو گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور ان لوگوں کی جن کو حالت کفر پر موت آ جاتی ہے، ان لوگوں کیلئے ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

معصیت میں انسان چاہتا ہے کہ اس کا گناہ ظاہر نہ ہو اور اسکا کوئی برا اثر مرتب نہ ہو بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا اثر مٹ جائے یہی چیز توبہ اور استغفار ہے کر لینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ جو توبہ قبول کرنے والے اور بخش دینے والے ہیں گناہوں کی پردہ پوشی فرما دیتے ہیں اور گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں بلکہ توبہ کرنے والے کو دوست بنا لیتے ہیں۔ لفظ توبہ رجوع کے معنی رکھتا ہے، استغفار میں مغفرت کی طلب ہوتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ گناہوں پر نادم ہو، آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو، حقوق العباد ادا کرے اور مقدور بھر سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کرے۔

حصول توبہ کیلئے کیا کریں

قرآن وحدیث میں گناہوں پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کرنا اور سوچنا چاہئے اس سے گناہ پر دل میں سوزش پیدا ہوگی، یہی توبہ ہے۔ استغفار کے معنی بخشش طلب کرنے کے آتے ہیں، توبہ واستغفار میں فرق ہے استغفار سے مراد ماضی کے گناہوں کی معافی مانگنا اور توبہ سے مراد ندامت قلب کے ساتھ تلافی اور آئندہ کیلئے عہد کرنا ہے کہ اس خطاء کو دوبارہ نہ کریں۔ (روح المعانی)

شرعاً توبہ کا مفہوم

شریعت کی اصطلاح میں گناہ کو اس کے برا ہونے کے سبب ترک کرنا اور اس کوتاہی پر شرمندہ ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔

توبہ کی حقیقت سلسلہ کی تعلیم کے لحاظ سے

توبہ کے معنی پلٹ آنے کے ہیں، اس کی حقیقت یہ ہے کہ کافر کفر سے ایمان کی طرف پلٹے، مشرک شرک سے توحید کی طرف پلٹے، ملحد الحاد سے صدق کی طرف پلٹے اور منافق نفاق سے استقامت علی الخیر کی طرف پلٹے۔ بدعتی بدعات سے سنتوں کی طرف پلٹے، فاسق فسق سے طاعات کی طرف پلٹے، شرپسند خیر کی طرف پلٹے، غافل غفلت سے یادحق کی طرف پلٹے، ، یافت وشہود خلق میں پھنسا ہوا یافت وشہود حق کی طرف پلٹے، یافت وشہود حق والا صرف جذب ہی میں نہ رہ جائے بلکہ وہ یافت وشہود خلق وحق دونوں کی طرف توجہ کرے اور دونوں کے حقوق تحت حدود ادا کرے۔

توبہ کی خاص قسمیں

بزرگوں کی کتابوں میں خاص طور پر ۳ مراتب توبہ اور رجوع کا تذکرہ ملتا ہے۔
التوبة من المعصية الى الطاعة گناہ ترک کرکے طاعت کی طرف رجوع کریں۔
الانابة من الغفلة الى الذكر غفلت چھوڑ کر یاد حق میں مشغول ہو۔ **الاوبة من الغيبة الى الحضور** ۔ اگر دل غیر حق میں لگ کر حضوری سے غائب ہو جائے تو پھر دل کو بارگاہ قریب حق میں حاضر کردینا اس کو صوفیہ کے پاس استحضار قلب اور نسبت مع اللہ کا رسوخ کہا جاتا ہے۔

شاندارِ مثال

جس طرح قطب نما کی سوئی بوجہ مقناطیسی مادہ کے قطب شمال کی سمت کو اپنا رخ کئے ہوئے رہتی ہے اور مرکز قطب شمال اس کے استقامت الی الشمال کا خود محافظ ہوتا ہے اور رخ بدلنے سے وہ سوئی مضطرب ہو جاتی ہے، اسی طرح جس قلب کو وہ نور عطا ہوتا ہے حق تعالیٰ شانہ کا مرکز نور اس قلب کی توجہ الی اللہ کا محافظ ہوتا ہے اگر غفلت سے اس کا رخ بدلے گا تو فوراً اضطرار شروع ہو جائے گا اور بزبان حال کہہ اٹھے گا۔

دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے
ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے

نسبت اسی کا نام نسبت اسی کا نام
ان کی گلی سے آپ نکلنے نہ پائے
(مستفاد از استغناء و توبہ: حضرت حکیم اختر صاحب مدظلہ العالی)

توبہ کا عام طریقہ

حضرت ابو درداؓء سے روایت ہے کہ جب بندہ خطایا گناہ کر بیٹھے اور اس کو توبہ کرنا محبوب ہو تو اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کر یہ کہے کہ اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں تیری طرف اس گناہ سے نہیں کروں گا اس گناہ کو دوبارہ پس اللہ بخش دیتا ہے اس کو جب تک دوبارہ نہ لوٹے اس گناہ کی طرف۔ (حاکم)

توبہ کا ایک خاص طریقہ

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا جب توبہ ارادہ ہو تو غسل کرو، پاک و صاف کپڑے پہن لو دو رکعت نماز پڑھ لو پھر اپنی پیشانی بارگاہ الٰہی میں ٹیک کر خوب معافی مانگو، تنہائی ہو، آنسو بہہ رہے ہوں، دل غمگین ہو، اپنی بے انتہا بے بسی اور بیکسی کا اظہار ہو، خدا کی بے انتہا تعریف ہو، حضور پاک پر درود و سلام ہو اور رو رو کر رب رحیم کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا کرو۔ اے اللہ آپ کا بھاگا ہوا بندہ آپ کے دروازے پر حاضر ہو گیا ہے اور آپ کا نافرمان بندہ صلح کیلئے لوٹ آیا ہے، آپ کا گنہگار بندہ عذر پیش کر رہا ہے اپنے کرم سے معاف فرما دیجئے، اور اپنے فضل سے قبول فرما لیجئے۔ میری طرف نگاہ رحمت فرمایئے اور آئندہ کی خطاؤں سے حفاظت فرمایئے۔ پس ہر خیر آپ کے ہاتھ میں ہے اور آپ ہمارے حال پر مہربان اور کرم کرنے والے ہیں۔

شانِ غفاری

جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے وقت تین مرتبہ حسب ذیل استغفار "اَسْتَغْفِرُ اللہَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ" کو پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں یا اس کے گناہ ریت کے ٹیلے کے برابر ہوں یا درخت کے پتوں کے برابر ہوں یا ایام دنیا کے برابر ہوں۔

استغفار کی برکت

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے بارش کے نہ ہونے کی شکایت کی: فرمایا استغفار کرو، دوسرے نے تنگدستی کی شکایت کی، فرمایا استغفار کرو، تیسرے نے اولاد نہ ہونے کی شکایت کی فرمایا استغفار کرو، چوتھے نے شکایت کی کہ زمین میں پیداوار کم ہے، فرمایا استغفار کرو، پس پوچھا گیا کہ ہر شکایت کا ایک ہی علاج کیوں تجویز فرمایا تو سورہ نوح کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اَستَغفِرُوا رَبَّکُم اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا۔ یُرسِلِ السَّمَآءَ عَلَیکُم مِدرَارًا، وَیُمدِدکُم بِاَموَالٍ وَّبَنِینَ وَیَجعَل لَّکُم جَنّٰتٍ وَّیَجعَل لَّکُم اَنهٰرًا۔

دریائے رحمت کا جوش

ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت وحشیؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان کو اسلام کی دعوت دے، پس یہ پیغام حضرت وحشیؓ نے کہلا بھیجا کہ مجھے آپ کس طرح دعوت اسلام دے رہے ہیں، آپ کے رب نے فرمایا: جو قتل، زنا اور شرک کرے گا ایسے لوگوں کو دوگنا عذاب ہوگا اور پس حق تعالیٰ نے نازل فرمایا الا من تاب و آمن و عمل صالحاً مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے وہ مستثنیٰ ہے تو حضرت وحشیؓ نے یہ سن کر کہا کہ یہ شرط سخت ہے شائد کہ میں اس پر عمل نہ کر سکوں، پس کیا اور بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے، پس حق تعالیٰ کی رحمت نے مزید آیت نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَایَغفِرُ اَن یُّشرَکَ بِهٖ وَیَغفِرُ مَادُونَ ذَالِکَ لِمَن یَّشَآءُ ۔ اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو نہ بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا ہر گناہ کی مغفرت فرمادے گا جس کیلئے اس کی مغفرت کا فیصلہ فرمادے۔

یہ سن کر حضرت وحشیؓ نے کہا کہ مجھے اپنی مغفرت میں ابھی شبہ ہے کیونکہ اس میں مشیت کی قید ہے نہ معلوم ہماری مغفرت کیلئے مشیت خداوندی ہو یا نہ ہو، پس حق تعالیٰ کی شان رحمت نے ایک اور آیت اتاری قُل یٰعِبَادِیَ الَّذِینَ اَسرَفُوا عَلٰی اَنفُسِهِم لَاتَقنَطُوا مِن رَّحمَةِ اللّٰهِ۔ اِنَّ اللّٰهَ یَغفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیعًا، اِنَّهٗ هُوَ الغَفُورُ الرَّحِیمُ۔ اے نبی اکرمؐ آپ فرمادیجئے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے، بے شک وہ بہت بخشنے والے بے حد

مہربان و نہایت رحم کرنے والے ہیں، یہ آیت سن کر حضرت وحشیؓ نے کہا نعم ہذا، یہ تو خوب عمدہ آیت ہے میری مغفرت کی، پھر آئے اور اسلام لے آئے۔ مسلمانوں نے عرض کیا کہ کیا یہ ان کیلئے خاص ہے یا سب کیلئے عام ہے آپ ﷺ نے فرمایا سب مسلمانوں کیلئے عام ہے۔

توکل کیا ہے

معاملات میں انسان یہ چاہتا ہے کہ کوئی غنی اور دولتمند اس کا ساتھ دے اور اس کا معاملہ کامیاب ہو یہی چیز توکل کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے، حکیم الامت نے فرمایا: کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل ہے، کام خدا کے سپرد کردیں اس کام سے متعلق تحت حکم تدبیر اختیار کریں، تحت حکم و تدبیر اسباب کوشش کریں۔

توکل کی اقسام واحکام

توکل کی دو قسمیں ہیں:- ایک **علمی** اور دوسرے **عملی**

توکل علمی: یہ ہے کہ ہر کام میں متصرف حقیقی اللہ ہی کو سمجھے اور اپنے کو ہر آن اس کا محتاج یقین کرلے۔

توکل عملی: اس کی حقیقت ترک اسباب ہے پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں، ایک اسباب دینیہ، دوسرے اسباب دنیویہ۔ اسباب دینیہ کو چھوڑے اس لئے کہ چھوڑنا گناہ ہے، بلکہ اسباب اختیار کرنا ضروری ہے امر دین واجب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے اگر سنت ہے تو سنت مستحب ہے تو مستحب۔

اسباب دنیویہ جن سے کوئی نفع دنیوی حاصل ہو اس نفع کی صورتیں ہیں، ایک نفع حلال اور دوسرے نفع حرام، اگر نفع حرام ہو تو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے اور وہ اسباب یقینیہ جن پر نفع عادتاً مرتب ہوتا ہے جیسے کھانے کے بعد آسودگی حاصل ہونا، پانی پینے کے بعد پیاس کا کم ہو جانا وغیرہ ایسے اسباب کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وہ اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع مرتب ہوتا ہے مگر بہت سی مرتبہ صحت کا ہونا یا نوکری اور مزدوری کے بعد رزق ملنا ان اسباب کا ترک کرنا جس کو عرف طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں، اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کیلئے تو جائز نہیں اور قوی النفس کیلئے جائز ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ متوکلین پر لازم ہے کہ توکل صرف

خدا کی ذات پر کیا کریں ایک اور جگہ ہے وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ۔ جواللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کیلئے کافی ہے۔

شہمیری بات

حضرت شہمیرؒ نے بڑی اچھی بات بتلائی ہے کہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ ترک رویئت اسباب کا نام ہے۔

نظر مسبّب پر!

اگرہمیں اس بات کا علم ویقین ہوجائے کہ اللہ کی ذات ایسی ذات ہے جو سارے آثار وافعال کا مرجع اور حول وقوت کا مبدا ہے وہی ایک فاعل حقیقی ہے۔ اثر، قوت وحرکت وہی پیدا کرتے ہیں، ان کی مشیت اور ارادے کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرسکتا تو ہمارے دلوں میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوگی جس سے ہم سارے امور کو خدا کے سپرد کردینے میں ہی سکون اور مسرت محسوس کریں گے، یہی توکل اور اسکا شیریں ثمر ہے، یہ توحید کی جان اور مسلمان کی شان ہے۔حکم کے تحت اسباب قطعیہ کا استعمال جائز بلکہ لازم ہے،عموماً فطرت انسانی بغیر اسباب کے خاموش اور مطمئن نہیں رہتی ٹھیک ہے مگر اب اسباب کے استعمال میں نظر اسباب پر نہ ہو بلکہ مسبّب الاسباب پر ہوتو اسباب میں اثر بھی پیدا ہوتا ہے اور اس مضمون کے تمام اجزاء کو سمجھ کر پابندی کی جائے تو رفتہ رفتہ رضا کا مقام حاصل ہوجاتا ہے جوراحت کبریٰ ہے۔

اعتماد کامل اور خدا پر بھروسہ کا نام ہے حکمی نسبت ملحوظ رکھ کر سبب اختیار کرے اور حق تعالیٰ ہی کو مسبّب الاسباب سمجھے اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی معاملات میں کامیابی تک پہنچانے والے ہیں، وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ، سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قطعاً کافی ہوجاتے ہیں، اور یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ کا ارشاد بتاتا ہے کہ محبوب بھی بنالیتے ہیں، الحمدللہ۔

حقیقت توکل اور اعتدال

یہ بات بھی یادرکھنا چاہئے کہ توکل ترک عمل یا تعطل کا نام نہیں بلکہ وہ ایک قوت یقین ہے جس سے سارے امور خدا کے تفویض کرنے میں اطمینان ملتا ہے۔توکل کی ان تفصیلات

کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے افعال مبارکہ سے اعتدال کا پتہ چلتا ہے، معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خرق عادت ظہور میں آتے ہیں ان میں تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی دعوت کا قصہ اس کا شاہد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا، پھر اس میں آ کر لعاب دہن ملا دیا اور وہ چند آدمیوں کی خوراک لشکر کو کافی ہوگئی۔ اسی طرح صورت اسباب کو حجاب بنایا گیا ورنہ ویسے بھی کھانا بڑھ سکتا تھا، یہ توکل اور تدبیر کے آداب ہیں۔ توکل کس طرح کریں؟ توکل صرف اللہ پر ہو اور لوگوں کے ہدایا اور تحفوں کی طرف نفس کا اشراف نہ ہو۔ اشراف نفس نہ ہو تو توکل محمود ہے اور جو توکل کی شرائط نہ ہوں تو تدبیر مسنون۔ بہر حال افراط وتفریط سے بچے۔

توکل کے حصول کا طریقہ

اللہ کی عنایتوں، وعدوں اور گذشتہ کامیابیوں کو یاد کرنا اور سوچنا اس کے طریقے ہیں۔

نعمت اور مصیبت کی حقیقت اور احکام

نعمت وہ حالت ہے جو نفس کیلئے خوشگوار ہو وہ حالات جو اس کی مرضی کے موافق ہیں مواقع شکر ہیں۔

حالات کی دو قسمیں ہیں

ایک پسندیدہ اور دوسری ناپسندیدہ۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری۔

یہ کل چار قسم کے حالات ہوئے۔

پسندیدہ، اختیاری ...... پسندیدہ غیر اختیاری

ناپسندیدہ، اختیاری ...... ناپسندیدہ غیر اختیاری

ہر ایک کے متعلق الگ الگ حقوق ہیں، ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ حالت نعمت میں انسان یہ چاہتا ہے کہ نعمت باقی رہے بلکہ زیادہ ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اس میں احسان ماننے کا جذبہ ہوتا ہے، محسن کی یاد فطری تقاضہ ہے تو زبان سے الحمد للہ کہے اور دل سے اللہ کو یاد کرے اور نعمت کو صحیح استعمال کرے۔

جذبہ شکر کی تحصیل کا طریقہ

حق تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنا اور یاد کرنا اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جاننا شکر کی تحصیل کا طریقہ ہے، اس سے شکر کا جذبہ کاملہ نصیب ہوگا۔ (شریعت وطریقت)

نعمتوں کے تین اعتبارات

انسانی زندگی کی ایک خصوصی حالت یہ ہے کہ وہ سر سے لیکر پیر تک بلکہ انفس و آفاق کی بہت سی نعمتوں میں ڈوبا رہتا ہے نعمتوں کے دور میں خزانے کھل جاتے ہیں، کھانا پینا حسب خواہش ہوتا ہے، بہترین غذاؤں سے دسترخوان بھرا رہتا ہے، میوہ مٹھائی روز کی غذا بن جاتی ہے، ہر قسم کے ماکولات، مشروبات، ملبوسات نصیب رہتے ہیں، دستر کا لباس الگ، دفتر کا لباس الگ، بستر کا لباس الگ ہوجاتا ہے، مکانات، دوکانات، باغات موجود رہتے ہیں، سواریاں، گاڑیاں اور ہوائی جہاز حاضر رہتے ہیں، گھروں میں صوفے، گدے پڑے رہتے ہیں، اسمبلی کی سیٹوں پر قبضہ ہوجاتا ہے، پارلیمنٹ اپنی بن جاتی ہے، وزارت کی کرسی بھی نصیب ہوجاتی ہے، بلکہ صدارت کا تخت بھی قبضہ میں آجاتا ہے۔ الغرض ان نعمتوں کی بارش اتنی ہوتی ہے کہ نعمتوں کا دینے والا آنکھوں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔

سادہ تمثیل

مگر بھائیو! نعمتوں کے تین اعتبارات ہیں، ایک یہ کہ نعمت خود ہی عذاب الٰہی ہے، صورت قہر ہے، بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن آپ ایک سادہ تمثیل پر غور کریں کہ مچھلی پکڑنے کیلئے شکاری گل لیتا ہے اس کو ڈور باندھ دیتا ہے، پھر چھڑی سے باندھ دیا جاتا ہے، پھر شکاری کنویں یا تالاب یا ندی کے کنارے بیٹھ جاتا ہے، اپنے ساتھ کیچوے رکھتا ہے، جو مچھلیوں کی مرغوب غذا ہے۔ مینڈکی یا مچھلی لگا کر بڑی مچھلیوں کا شکار کرتا ہے، اب بتلایئے کہ مچھلیوں کیلئے یہ مرغوب غذا یعنی نعمت ہی مصیبت یا عذاب نہیں ہے؟ لہٰذا یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی ہر نعمت کافروں کیلئے، مشرکوں کیلئے، ملحدوں اور بددینوں کیلئے عذاب الٰہی ہے نعمت کا دوسرا اعتبار یہ ہے کہ کفارہ سیئات ہوتی ہے اور نعمتوں کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ترقی درجات کا سبب ہوتی ہے۔

مصیبت کے تین پہلو

جس طرح نعمت کے تین اعتبارات ہیں، اسی طرح مصیبت کے تین پہلوؤں کو اجاگر فرمایا گیا ہے۔ مصیبت کے تین پہلو ہیں، ایک یہ کہ وہ مصیبت عذاب الٰہی ہوتی ہے، ہر کافر ومشرک اور ملحد ومنافق کیلئے مصیبت عذاب ہے، دوسرے یہ کہ فاسق وفاجر انسانوں کیلئے کفارہ سیئات ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مصائب دیکر انسان کے گناہ معاف کردیتے ہیں، تیسرے یہ کہ صالحین، شہداء اور صدیقین اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اوپر آنے والے مصائب ان کیلئے ترقی درجات کا سبب بنتے ہیں۔

سادہ مثال

ایک ماں جس کے بچے کو غلاظت لگ گئی ہے وہ اپنے بچے کو پیروں پر لٹالیتی ہے، صابن اور گرم گرم پانی ڈال کر زور زور سے ملتی اور رگڑتی ہے، بچہ ہے کہ چیخیں مارتا ہے مگر کیا مجال کہ ماں خاموش بیٹھ جائے۔ محلّہ کی ۸ عورتیں طعنہ دیتی ہیں کہ کتنی سنگ دل ماں ہے، بچے کو رلا رہی ہے لیکن ماں کسی کی پرواہ نہیں کرتی، جب بچہ کی غلاظت دور ہوجاتی ہے تو وہ ملنا رگڑنا چھوڑ دیتی ہے۔ دیکھئے ماں اپنے بچے کی غلاظت برداشت نہیں کرسکتی اور اس کو پاک وصاف کئے بغیر نہیں رہتی تو پھر اللہ تعالیٰ جو ستر ماؤں سے زیادہ محبت رکھتا ہے وہ اپنے بندوں کی ناپاکی کیسے برداشت کرے گا، لہٰذا مصیبت، آزمائش، پریشانیاں، تکالیف اور امراض یہ رگڑ ہیں، جن کے ذریعہ مسلمان پاک وصاف کیا جاتا ہے، اس لئے راحت اور مصیبت کے ان مذکورہ دونوں پہلوؤں کو خوب سمجھ کر ان کے تقاضوں کو سمجھنا چاہئے اب ہم سلسلہ کمالیہ کی تعلیم کا ایک اچھوتا پہلو پیش کر کے بات ختم کریں گے۔

مصیبت میں انسان یہ چاہتا ہے کہ اس پر کوئی مصیبت نہ آئے اور اگر آئے تو فوری دور ہوجائے، تھوڑی سی تکلیف بھی ہو تو اس کا بہت زیادہ بدلہ ملے یہی چیز صبر سے حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ ہم نے مصائب اور مشکلات اور اس پر صبر اور اس کا اجر اپنی علیحدہ کتاب ''زندگی میں غم کیوں؟'' میں بہت تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے یہاں ان کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ جن کو تفصیل مطلوب ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ فرمالیں۔ یہاں صرف تحصیل صبر کا طریقہ لکھ دیتے ہیں، مصیبت اور غم کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے اور اس کا ورد

کرے اور دل کو اس کے معنی کے تصور میں مشغول رکھے کہ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں اور مالک کو اپنی مملوک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے۔ غلام کو چاہئے کہ اپنے مالک کے تصرف پر راضی رہے، نیز یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ جذبات نفسانی اور خواہشات انسانی کو کمزور کرنا صبر کی تحصیل کا طریقہ ہے۔

مالک حقیقی کے دو قاصد اور ان کا استقبال

دنیا کے سارے واقعات مقدرات کے تحت چل رہے ہیں، یہ مقدرات دو طرح کے ہیں، ایک عطا دوسرا منع۔ کسی نعمت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا عطا ہے جیسے صحت، کشادگی راحت وغیرہ۔ اور اللہ کی طرف سے کسی چیز کا نہ ملنا، اس کو منع سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے صحت نہ ملے، اولاد نہ ملے، کشادگی نہ ملے، راحت نہ ملے، ظاہر ہے جب پہلی قسم نہ ہوگی تو دوسری قسم ہوگی یعنی بیماری تنگی مصیبت وغیرہ۔

خصوصی اسباب سے خصوصی نتیجہ عام طور پر نکلتا ہے جیسے غذا کے استعمال سے صحت اور بے اعتدالی سے بیماری۔ لیکن یہ اسباب بالذات موثر نہیں بلکہ موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں، جیسے بلب اور روشنی۔ اس کا ماخذ نہ ہولڈر ہے نہ کھٹکا، نہ فیوز کا تار نہ محلّہ کا برقی اسٹیشن بلکہ روشنی اس برقی رو کی وجہ سے ہے جو صدر خزانے سے نکل کر مختلف ذرائع سے بلب تک پہنچ رہی ہے۔ اسی طرح ہر واقعہ ہر معاملہ اسباب کا زنجیری سلسلہ ہے، جس کا آخری سرا خدا کے ہاتھ میں ہے۔

دوسری مثال

کسی کو پیٹ کا درد ہوا اب لوگوں کو سبب کی تلاش ہوئی وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلاں غذائی کھائی گئی اور اس غذا میں بد احتیاطی سے یا فلاں چیز کھانے سے ایسا ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ پیٹ کے درد کا وہ سبب بنا ہو مگر وہی سبب تو کچھ بھی نہیں ورنہ ہر کھانے والے کے پیٹ میں درد ہونا چاہئے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چیزوں کی تاثیرات ذاتی نہیں بلکہ حاکم مطلق کے زیر اثر ہیں۔ يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، اللہ سے اجازت مانگتے ہیں جب انہیں اذن ملتا ہے تو خاصیت دکھاتے ہیں ورنہ نہیں۔ تو اب معلوم ہوا کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں، موثر حقیقی حق تعالیٰ ہیں، تو عطا و منع ان کی طرف سے

ہیں، گویا یہ دونوں اپنے مالک کے قاصد ہیں۔

شاندار استقبال کیجئے

اور آپ جانتے ہیں کہ بھیجنے والا جس حیثیت کا ہوتا ہے اسی حیثیت سے اس کے قاصدوں کا استقبال ہوتا ہے، عطا کا استقبال شکر سے کرنا پڑتا ہے، اس مہمان کو اپنے پاس رکھنے کے آداب یہ ہیں۔

(۱) زبان سے اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْر ، جیسے کلمات کے ذریعہ حق تعالیٰ کا شکر بجالانا جسے لسانی شکر کہتے ہیں۔

(۲) دل سے اللہ تعالیٰ کو منعم حقیقی اور معطی حقیقی جاننا اور دل کا جذبات شکر سے لبریز ہوجانا جسے شکر قلبی کہتے ہیں۔

(۳) تیسرے شکر حقیقی ہے اس میں انعام واحسان کرنے والے کی جانب سے دی جانے والی چیز کو صحیح استعمال کرنا چاہئے، اس مہمان کو اپنے پاس رکھنے کا بڑا ادب یہ ہے کہ اس کو حدود شریعت میں رکھا جائے اور استعمال کیا جائے۔

دوسرا قاصد

مالک حقیقی کا جو دوسرا قاصد ہے منع ہے۔ اس قاصد کے استعمال کرنے کا جہاں تک تعلق ہے بھیجنے والے کے منشاء کے مطابق اس قاصد سے سلوک کرنا استقبال کے منافی نہیں مگر چونکہ اللہ ہی نے فرمایا ہے لَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اس لئے اس قاصد کے استقبال کرنے میں تھوڑی سی نزاکت ہے، ہاں اس قاصد کا استقبال صبر سے کرنا چاہئے، بڑا ادب یہ ہے کہ اس کے دفع کی جو تدبیریں کی جائیں گی وہ تحت شریعت ہونگی اس کے اہم آداب یہ ہیں:

(۱) تقدیر کا شکوہ نہ کریں۔

(۲) عوام الناس کی طرح پریشان نہ ہوں۔

(۳) ہوش وحواس گم نہ کردیں۔

(۴) گناہوں کا ارتکاب نہ کریں۔

(۵) اس قاصد کو بھی من اللہ سمجھیں۔

(۶) مصیبت کی وجہ سے کسی خیر کا ارادہ ترک نہ کریں۔
(۷) مصیبت کو من اللہ سمجھ کو ہنسی خوشی برداشت کریں جیسے حضرت ایوبؑ وغیرہ۔
(۸) مستقل مزاجی سے حق پر جمے رہنا ضروری ہے، اس کیلئے خصوصاً حضرت ابراہیمؑ اور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حالات اور صبر و ثابت قدمی کے واقعات پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں۔

اوپر سے جو کچھ باتیں بتلائی اور سمجھائی جارہی ہیں اس پر نظر رکھنے اور فکر و عمل کے دونوں پہلوؤں پر رکھنے اور تقاضے پر عمل کرنے سے زندگی چین و سکون سے بسر ہوگی۔

چند اصول اور اخلاقی مسائل

مسئلہ (۱) اللہ ہی کمالات والی ہستی اور منعم حقیقی ہے۔ اس لئے وہی مستحق حمد ہے، لہٰذا حمد اسی کی ہونی چاہئے۔ (۲) انسان اپنی ذات سے کما حقہ، اس کی حمد وثنا نہیں کرسکتا، اسی عجز کا اعتراف کروا کر الحمدللہ کے ذریعہ تعریف کرنے کا طریقہ بتلایا ہے (۳) خودستائی، مدح سرائی اور اپنی تعریف آپ کی اجازت نہیں ہے۔ (۴) انسان کیلئے دنیا میں جو لوگ اللہ کی نعمتوں کا واسطہ ہیں، وہ بھی چونکہ ایک درجہ میں مجازی محسنین ہیں اس لئے تہذیب واختلاق کا تقاضہ ہے کہ ان کا شکریہ ادا کیا جائے۔
(۵) مطلقاً رب کا لفظ اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے بولنا جائز نہیں۔

مسئلہ: عبادت چونکہ صرف اللہ ہی کی ہونی چاہئے۔ (۱) اس لئے کفر جلی، کفر خفی اور شرک جلی، شرک خفی سے منع ہیں۔ (۲) سجدہ تعظیمی بھی منع ہے۔ (۳) اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام کی نذر و منت بھی منع ہے۔ (۴) بیت اللہ کے علاوہ کسی چیز کے اطراف طواف بھی منع ہے۔ (۵) جس طرح کفر کا اختیار کرنا منع ہے اسی طرح علامات کفر کا اختیار کرنا بھی منع ہے اور جس طرح شرک سے بچنا ضروری ہے اسی طرح علامات شرک سے بھی بچنا ضروری ہے۔

چند سوال و جواب

سوال: فاتحہ کسے کہتے ہیں، اور فاتحہ کا درجہ کیا ہے؟

جواب: عرف میں ایصال ثواب کو فاتحہ کہتے ہیں، مردوں کو ثواب پہنچانا احادیث سے ثابت ہے

سوال: ثواب پہنچانا فرض ہے یا واجب؟ اگر نہ پہنچائیں تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

جواب: ثواب پہنچانا فرض یا واجب تو نہیں صرف مستحب ہے، پہنچائیں تو ثواب ہوگا نہ پہنچائیں تو گناہ نہیں۔

سوال: فاتحہ دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب: اپنی طاقت کے موافق حلال کمائی سے خدا کے نام پر پیسہ، روٹی، کھانا، کپڑا، اناج وغیرہ بغیر تعین و بلا پابندی رسم و رواج پہلے غربا و مستحقین میں خیرات کر دینے کے بعد یا نفلی نماز، روزہ ادا کر دینے کے بعد یا جتنا ممکن ہو تلاوت کر کے اس طرح نیت یا دعا کرو یا اللہ اس نیک کام کا ثواب میری طرف سے حضرت محمد ﷺ کی روح کو پہنچا دے یا فلاں ولی کو یا ماں باپ، رشتہ داروں کو پہنچا دے، تم جن کو ثواب پہنچانے کی دعا کرو گے وہ ثواب اللہ تعالیٰ ان کو پہنچا دے گا۔

سوال: ایصال ثواب کیلئے اور کوئی کام بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: ہاں ضرور کر سکتے ہیں، مثلاً مسجد، مدرسہ، مسافر خانہ بنانا یا کنواں کھدوانا یا غریب کی شادی کرنا یا اس کا قرض ادا کرنا یا غریب کا کفن دفن کرنا قرآن مجید اور دیگر دینی کتب خرید کر مفت تقسیم کرنا، اس طرح کے اچھے اور بھلے کام کرنا ایسے نیک کاموں میں مدد کر کے اس کا ثواب پہنچانے کی دعا کر لیں تو نفع ہوگا، ثواب ملے گا، جائز کام کو تحت حدود کرنا اچھا ہے، افراط و تفریط سے کام یا حدود کو پھلانگنا، یا بدعات کا ارتکاب کرنا جائز نہیں۔

نوٹ: اس ضمن میں مزید جزئیات و تفصیلات اور اصولی یا فروعی بحثیں یا عوامی مسائل یہاں پیش نہیں کی جاسکتیں، اس کیلئے آپ یا تو بڑی کتابیں پڑھیئے یا اپنے اعتماد کے مفتیان کرام سے ربط قائم کر کے تفصیلات معلوم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی نصیب فرمائے اور بدعات سے بچائے۔ جزوی اور فروعی

مسائل کی اگرچہ فقہا نے تصریح فرمادی ہے کہ کونسی چیز سنت ہے اور کونسی بدعت اور کونسا عمل برمحل ہے اور کونسا بے محل، مگر غیر ضروری امور اور عوامی جھگڑوں کی بابت حضرت نے فرمایا:

آج عوام میں جو جھگڑے اور اختلافات برپا ہیں وہ کس لئے ہیں؟ کیا کسی فرض کے چھوڑنے والے سے یہ لوگ لڑ رہے ہیں، کیا کسی واجب کے چھوڑنے والے کو برا بھلا کہہ رہے ہیں؟ کیا کسی سنت کو ترک کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے کو ملامت کرر ہے ہیں؟ نہیں، جھگڑا صرف مباحات و مستحبات کا ہے کہ تم یہ کیوں نہیں کرتے؟ اور یہ جھگڑ آج اتنا شدید ہوگیا ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے کے خلاف شدید بغض و کینہ پیدا ہوگیا ہے جو قطعاً ناجائز ہے، مباحات میں جھگڑا، محرمات اور ممنوعات کا ارتکاب بالکل غیر دانشمندانہ حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نیک توفیق دے اور ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

ہدایت؟

ہدایت کے معنی نرمی اور مہربانی کے ساتھ منزل کی طرف رہنمائی کرنے کے آتے ہیں۔ ہدایت جب اللہ کی طرف نسبت ہوکر استعمال ہوتو اس کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) اول وہ ہدایت جو اللہ نے ہر مکلّف کو عقل و شعور اور ضروری واقف بقدر استعمال عطا فرمائی ہے۔ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ یعنی ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی پھر اسے ہدایت بخشی۔

(۲) دوم وہ ہدایت جو اللہ نے وحی نازل فرماکر پیغمبروں کے ذریعہ فرمائی، چنانچہ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ یعنی اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ان کی ہدایت کرتے ہیں۔

(۳) سوم توفیق الٰہی جس سے وہ خوش قسمت سرفراز ہوتا ہے جس نے ہدایت کے دوسرے درجہ سے فائدہ اٹھایا ہے اور درجات ہدایت میں ترقی کرتا ہے، چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی۔ یعنی جن لوگوں نے راہ ہدایت اختیار کی اللہ ان کو مزید ہدایت عطا فرمائے گا

(۴) چہارم ھِدَایَتُ اِلَی الْجَنَّة: آخرت کی طرف رہنمائی، جیسے فرمایا گیا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ ۔تمام تعریفیں اس خدا کیلئے ہیں جس نے جنت کی طرف ہماری رہنمائی کی اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہرگز یہ ھِدَایَتُ اِلَی الْجَنَّة نصیب نہ ہوتی۔

ہدایت جب بندے کی طرف نسبت ہو کر آئے اس سے مراد بلاوا اور راستہ دکھانا ہوتا ہے جیسے فرمایا اِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔یعنی بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف ہدایت و رہنمائی کرتے ہیں۔ ہدایت کی اعلیٰ ترین صورتیں انسان کے اختیار سے باہر ہیں، فرمایا کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۔اے پیغمبر آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، یہ تفصیلات امام راغب اصفہانی نے ذکر کی ہیں۔ ہدایت کی کچھ اور تفصیلات جو دیگر محققین نے پیش کی ہیں، اس کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اللہ نے انسان کو جو ہدایت عطا فرمائی ہے، اس کے چار مرتبے ہیں، جن سے وہ درجہ بدرجہ سعادت کی منزلیں طے کرتا ہے۔

(۱) ہدایت وجدانِ طبعی: یہ ہدایت کا پہلا درجہ ہے اور فطرت کا وہ الہام ہے جو پیدا ہوتے ہی بچے کی دستگیری کرتا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ بچہ دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی بھوک کی تکلیف محسوس کرتا ہے اور محض اپنی فطرت کے تقاضے سے رو کر غذا کا مطالبہ کرتا ہے اور جیسے ہی ماں کی چھاتیوں سے منہ لگاتا ہے اور اپنی فطرت کے اسی غیر محسوس اشارے پر اسے منہ میں لے کر چوسنے لگتا ہے۔

(۲) ہدایت حواس: یہ ہدایت کا دوسرا درجہ ہے اس میں انسان دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے کی قوتیں پاتا ہے، حیوانی زندگی میں یہ درجہ پہلے درجہ کی تکمیل کرتا ہے اور ان دونوں مراتب کی ہدایت میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہے۔

(۳) ہدایت عقل: یہ ہدایت کا تیسرا درجہ ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے، اللہ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے، انسان کی مدنی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے پہلے بیان کئے گئے دونوں مرتبے کافی نہیں ہو سکتے، اس لئے اللہ نے اسے ہدایت کے بلند درجے پر فائز فرمایا ہے جسے ہدایت عقل کہتے ہیں، یہ ہدایت حواس اور

مشاعر کی غلطیوں کا پردہ چاک کرتا ہے اور محسوسات سے آگے بڑھ کر نظریات کی پر پیچ وادیوں میں اس کی رہنمائی کرتی ہے، مثلاً دور کی چیز انسان کو چھوٹی نظر آتی ہے، صفرے سے متاثرہ آدمی میٹھی چیز کو کڑوا محسوس کرتا ہے، اسی طرح پانی کی تہہ میں سیدھی لکڑی میڑھی معلوم ہوتی ہے تو یہ عقل ہی ہے جو انسان کو اصل حقیقت سے آگاہ کرتی ہے اور بقدر استعداد رہنمائی کرتی ہے۔

(۴) ہدایت دین: یہ ہدایت کا ایک اونچا درجہ ہے جو اللہ نے اپنی رحمت کاملہ سے انسان کو خصوصیت کے ساتھ عطا کیا ہے، جس طرح حواس کی غلطیوں کو عقل کی مدد سے دور کیا جاتا ہے، اسی طرح عقل کی لغزشوں کو دور کرنے کیلئے بھی دین کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان رہوار عقل کو اپنی ذاتی اور نوعی صلاح و فلاح کی منزلیں طے کرنے کیلئے استعمال نہیں کرتا بلکہ نفسانی خواہشوں میں اسے دوڑانے لگتا ہے پھر نفسانی خواہشوں کا میدان تو بہت وسیع ہے وہ ساری دنیا کا خون کھینچ کر اپنی مجلس عیش کی رنگینیوں میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح دنیا قتل و غارت اور تباہی و بربادی کا شکار ہو جاتی ہے۔ خواہشات نفسانی کی اندھیری کھائیوں میں عقل انسانی کی اس غلط روش کو روکنے کیلئے ہدایت دین کا ہاتھ بڑھتا ہے وہ اس کی لگام تھام لیتا ہے اور اسے ہلاکت کے راستے سے ہٹا کر سعادت کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان طبعی طور پر اپنے دل کے پردوں پر ایک غیبی طاقت کا اقتدار محسوس کرتا ہے جو سارے عالم کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے، نیز وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جہاں اسے اس اقتدار غیبی کے سامنے اپنے اعمال و افعال کی جوابدہی کرنی ہے، پھر یہ اسے کس طرح معلوم ہو کہ قادر مطلق کے اس کی ذات پر کیا حقوق ہیں، جنہیں ادا کر کے وہ اس کی رضا، رحمت اور حیات آخرت کی فلاح و سعادت حاصل کر سکتا ہے، بلاشبہ یہ کام بھی ہدایت دین کا ہے، جس کے بارے میں ایک مقام پر فرمایا گیا ہے، ہم نے انسان کو سعادت و شقاوت کے دونوں راستے دکھلا دئے اور اے سننے والے مخاطب پیغمبروں کی ہدایت کی پیروی کرو۔

یہاں ہدایت سے مراد اللہ کی وہ توفیق و عنایت ہے جو سعادت کی منزلیں طے کرنے

کیلئے عطا ہوتی ہیں چونکہ حواس، عقل اور دین کے فہم میں انسان سے بتقاضائے بشریت غلطی ہوسکتی ہے اس لئے سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ یہ دعا تعلیم فرمائی گئی ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔

حقائق کے دریا بہاتا چلا جا
معارف میں غوطے لگاتا چلا جا
بہا انس و الفت کے دریا بہادے
گلے دشمنوں سے لگاتا چلا جا
اگر تجھ کو دیوانہ کہہ دے یہ دنیا
پلٹ دیکھ پھر مسکراتا چلا جا

خلاصۃ الہدایات

ہدایت کا ایک درجہ عام جو جمادات، نباتات، حیوانات سب میں عام ہے یعنی قوائے ظاہرہ و باطنہ کا عطا ہونا مثلاً اعضاوحواس اور قوائے عقلیہ کا ملنا تاکہ ان کے ذریعہ مصالح اور مقاصد کی طرف رہنمائی مل سکے۔ اس موقع پر یہ خیال نہ کیا جائے کہ ان بے جان اور بے شعور چیزوں کا ہدایت سے کیا تعلق؟ کیونکہ قرآن کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے درجات کے مطابق حیات واحساس بھی رکھتا ہے اور عقل وشعور بھی، کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ ارشاد ربانی ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ۔

کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو، ہدایت کا یہ درجہ ہر مخلوق کو عطا ہوا ہے، ہدایت کا دوسرا درجہ جو پہلے درجہ سے بلند ہے جس سے حق وباطل اور صلاح وفساد کے درمیان امتیاز ہوجاتا ہے، یہ درجہ انسان اور جنات کو عطا ہوا ہے جو ذوی العقول کہلاتے ہیں، آسمانی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

اَمَّا ثَمُوْدُ فَھَدَیْنٰھُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْھُدٰی میں اسی ہدایت کا تذکرہ ہے۔

ہدایت کا تیسرا درجہ جو دوسرے سے اونچا ہے جو مومنین ومتقین کیلئے مخصوص ہے، یہ

ہدایت بھی براہ راست اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے جس کا نام توفیق الٰہی ہے یعنی ایسے اسباب و حالات پیدا کر دینا جن سے احکام خداوندی قبول کرنا آسان اور ان کی خلاف ورزی دشوار ہو جائے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا میں اسی طرح کی ہدایت مذکور ہے۔

چوتھا اور آخری مرحلہ سچے خواب، الہام وحی کے ذریعہ قلوب کیلئے کشف سرائر ہے جس میں اشیاء کی حقیقتوں کا ادراک اور معارف کا انکشاف ہوتا ہے۔

یہ ہدایت کی خاص قسم انبیاء و اولیاء کیلئے مخصوص ہے جیسے فرمایا گیا: (۱) فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ (۲) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ اس درجہ کی وسعت لامحدود انسانی ترقی کا میدان یہی ہے۔

مرا درود محمد ﷺ کا نام پھیلانا
مرا سلام محمد ﷺ کا کام پھیلانا
مرا درود شریعت کو تھام لینا ہے
مرا سلام طریقت کا جام لینا ہے
مرا درود سراپا سلام بن جانا
مرا سلام سراپا غلام بن جانا

اهدنا الصراط المستقیم

ہم کو سیدھے راستے پر چلایئے

حضرتؒ نے تنویر میں جس خاص انداز سے وضاحت کی ہے اسے مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے، صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہو جسے خَيْرُ الْاُمُوْرِ اور اَوْسَطُهَا کہا گیا ہے۔

صراط مستقیم عقائد و عبادات میں اعتدال کا راستہ، معاملات و اخلاقیات میں اعتدال کا راستہ، صالحین و شہداء اور صدیقین و انبیاء کا راستہ، ایمان و احسان اور ارکان اسلام کا راستہ، تسبیح و تحمید اور تکبیر و تحلیل کا راستہ، تلاوت و عبادت، دعا و دعوت کا راستہ، صدقات و خیرات، جہاد و غزوات کا راستہ، دعا و توبہ اور تفویض و توکل کا راستہ، توحید و سنت اور صدق و

استقامت کا راستہ، ذکر و فکر صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا راستہ، صراط مستقیم تمام منکرات کو چھوڑ دینے کا راستہ یعنی کفر و شرک، نفاق و ارتداد، فسق و فجور چھوڑ دینے کا راستہ، حرص، غصہ، جھوٹ، غیبت، بخل و حسد، ریا و تکبر چھوڑ دینے کا راستہ ہے۔ ہر بندہ صراط مستقیم کا ہر حال میں محتاج ہے جس کو یہ مل جائے اسے سب کچھ مل گیا۔ یہاں مانگ کھانے پینے کی نہیں، نہروں اور دریاؤں کی نہیں، جہازوں، ریلوں کی نہیں۔ یہاں مانگ ہے صراط مستقیم کی، جس کو یہ راہ مل گئی اسے یہ سب کچھ مل گیا، یہاں مانگ وزارت وصدارت کی نہیں، یہاں مانگ نظارت اور بادشاہت کی نہیں، مانگ ہے صراط مستقیم کی جس کو سیدھا راستہ ملا اس کو یہ سب کچھ مل گیا، یہاں ووٹوں اور نوٹوں کی نہیں یہاں مانگ سونے اور چاندی کی نہیں، یہاں مانگ لعل و جوہر کی نہیں، یہاں مانگ ہے سیدھی راہ کی جسے یہ راہ مل گئی اس کو یہ سب کچھ مل گیا، اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کا شعور عطا کرے۔

صراط مستقیم

سیدھا راستہ وہ ہے جس میں موڑ نہ ہوں اور مراد اس سے دین کا وہ راستہ ہے جس میں افراط و تفریط نہ ہو، افراط کے معنی حد سے آگے بڑھ جانا اور تفریط کے معنی حد سے اتر جانا ہے۔ سورہ فاتحہ میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے بعد والی آیت میں صراط مستقیم کا پتہ دیا گیا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۔یعنی سیدھا راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے، اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۔یعنی وہ لوگ جن پر اللہ کا انعام ہوا یہ ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہدا، صالحین مقبولان بارگاہ الٰہی کے یہ چار درجات ہیں جن میں سب سے اعلیٰ انبیاء علیہم السلام ہیں اور صدیقین وہ لوگ ہیں جو انبیاء کی امت میں سب سے زیادہ رتبے کے ہوتے ہیں، جن میں کمالات باطنی بھی ہوتے ہیں۔ شہدا جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دیدی تھی اور صلحا وہ ہیں جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں۔ صراط مستقیم کا پہچاننا، سب سے بڑا علم اور سب سے بڑی کامیابی ہے، اسی کی پہچان میں غلطی ہونے سے اقوام عالم تباہ ہوئی ہیں ورنہ خدا طلبی اور اس کیلئے مجاہدات کی تو بہت سے کفار میں بھی کوئی کمی نہیں۔ صراط مستقیم کا سب سے اہم پہلو یہ ہے۔

صراط مستقیم کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعہ سے ملتا ہے۔

یہاں ایک بات قابل غور ہے اور اس میں غور کرنے سے ایک بڑے علم کا دروازہ کھلتا ہے وہ یہ کہ صراط مستقیم کیلئے بظاہر صاف بات یہ تھی کہ صراط الرسول یا صراط القرآن فرمادیا جاتا جو مختصر بھی تھا اور واضح بھی، کیونکہ پورا قرآن درحقیقت صراط مستقیم کی تشریح ہے اور پوری تعلیمات رسول، اسی کی تفصیل ہیں، لیکن قرآن کی اس مختصر سورت میں اختصار و وضاحت کے اس پہلو کو چھوڑ کر صراط مستقیم کے تعین کیلئے اللہ نے دو مستقل آیتوں میں ایجابی و سلبی پہلوؤں سے صراط مستقیم کو اس طرح متعین فرمایا ہے کہ اگر سیدھا راستہ چاہتے ہو تو ان لوگوں کو تلاش کرو اور ان کے طریق کو اختیار کرو۔

قرآن کریم نے اس جگہ یہ فرمایا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو، کیونکہ محض کتاب انسانی تربیت کیلئے کافی نہیں اور نہ یہ فرمایا کہ رسول ﷺ کا راستہ اختیار کرو اور آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی اور رسول نہیں، اسلئے صراط مستقیم انہی لوگوں کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے، ان میں انبیاء کے علاوہ ایسے حضرات بھی شامل کردیے گئے جو قیامت تک ہمیشہ رہینگے، مثلاً صدیقین، شہدا، صالحین۔

خلاصہ یہ کہ سیدھا راستہ معلوم کرنے کیلئے حق تعالیٰ نے کچھ رجال اور انسان کا پتہ دیا، کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خبر دی کہ میری امت پچھلی امتوں کی طرح ستر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک جماعت ان میں حق پر ہوگی تو صحابہؓ نے دریافت کیا وہ کونسی جماعت ہے، اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ اس میں بھی رجال اللہ ہی کا پتہ دیا گیا ہے، فرمایا گیا۔ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ۔ یعنی حق پر وہ جماعت ہوگی جو میرے اور میرے صحابہ کے طرز پر ہو اس خاص طرز میں شائد اس کی طرف اشارہ ہو کہ انسان کی تعلیم و تربیت محض کتابوں اور روایتوں سے نہیں ہوسکتی بلکہ رجال ماہرین سے سیکھ کر حاصل ہوتی ہے، یعنی درحقیقت انسانوں کا معلم اور مربی انسان ہی ہوسکتا ہے، محض کتاب معلم اور مربی نہیں ہوسکتی۔ بقول اکبر مرحوم

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں

(از معارف القرآن)

میری زندگی کا حاصل میری زیست کا سہار
ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا
مجھے کچھ خبر نہیں تھی ترا درد کیا ہے یارب
ترے عاشقوں سے سیکھا ترے سنگ در پہ مرنا
مرا ہر خطا پہ رونا یہی ہے مری تلافی
تری رحمتوں کا صدقہ مرا جرم عفو کرنا
کسی اہل دل کی صحبت جو ملی کسی کو اختر
اسے آگیا ہے جینا اسے آگیا ہے مرنا

(از کلام حضرت حکیم اختر صاحب مدظلہ)

دعائے صراط مستقیم

اے اللہ! اے رب! اے رحمٰن! اے رحیم! اے مالک! اے معبود برحق! اے مستعان ذات!، اے ھادی مطلق!، ان لوگوں کا طریق زندگی ہم کو بھی عطا فرما جن لوگوں کی زندگیوں پر تیری نعمتوں کا نزول ہوا، ان لوگوں کو جیسے تو نے ایمان ویقین کی دولت سے نوازا ہمیں بھی سرفراز فرما۔

جیسے انہیں ارکان اسلام پر عمل کرنے کی توفیق بخشی، اسی طرح ہمیں بھی توفیق عطا فرما جیسے ان میں اوصاف حمیدہ کے ذریعہ ان پر انعام فرمایا، ہمیں بھی وہ تمام اچھی صفات عطا فرما جن کو آپ پسند فرماتے ہیں، اور تمام حاجتوں اور ضرورتوں میں تجھ ہی سے مانگنے والا بنا اور اے اللہ، جیسا کہ تو نے ان کے دلوں میں اپنی محبت وخشیت ڈال دی، اسی طرح ہمارے دلوں میں بھی اپنی خشیت ومحبت ڈال دے اور اے اللہ جیسا کہ تو نے ان کا خاتمہ ایمان پر فرمایا تھا ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر فرما اور جیسے ان بندوں کو تو نے اپنا بنالیا تھا، ہم سب کو اپنا بنالے، بس اے اللہ ہمیں بھی انعام یافتہ لوگوں کے طریق پر چلا، صالحین کے طریق پر چلا، صدیقین کے طریقوں پر چلا، انبیاء کرام کے طریقوں پر چلا، سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر چلا اور حسن علم، حسن عمل اور حسن خاتمہ نصیب فرما۔

انعام ظاہری یا حقیقی

انعام دراصل اچھی حالت کو کہتے ہیں پھر عزیز ولذیذ چیز کو کہنے لگے انعامات الٰہیہ بے شمار ہیں تاہم مجموعی طور پر ان کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی - اخروی۔

دنیوی نعمتوں کی پھر دو قسمیں ہیں: روحانی، جسمانی اس طرح آٹھ انواع ہوگئیں۔ روحانی نعمتیں جیسے روح کا بدن میں سرایت کرنا اور فکر و نطق اور عقل و فہم سے اس کو روشن کر دینا اور جسمانی جیسے بدن کا پیدا کرنا اور اس میں مختلف قوتیں ودیعت کر دینا، تندرستی اور قوت عطا کرنا وغیرہ۔

بدن انسان کی وہ چند نعمتیں جو امیر و غریب سب کیلئے عام ہیں۔ باعتبار قسمت کسی کیلئے کم کسی کیلئے زیادہ بے حساب ہیں اور اخروی نعمتیں گناہوں کی معافی، مقرب فرشتوں کی ہم نشینی، نعمت ہائے جنت، خدا کی خوشنودی وغیرہ ہیں، اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ، میں انعام سے مراد وہ حقیقی انعامات اور پائیدار انعامات مراد ہیں جو راست روی اور خدا کی خوشنودی کے نتیجہ میں ملا کرتے ہیں۔

وہ عارضی اور نمائشی انعامات جو بطور استدراج پہلے ادوار میں بھی فرعونوں، نمرودوں اور قارونوں کو ملتے رہے ہیں اور آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے ظالموں کو مل رہے ہیں، یہاں پر وہ مراد نہیں کیوں کہ ان کا ظاہر آرام دہ اور باطن آلام ہوتا ہے اور وہ صورتاً مہر اور باطناً قہر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بے خطا و بے خطر راستے پر چلنے کی اور صراط مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق دے اور حقیقی اور ابدی انعامات سے سرفراز فرمائے۔

انعام یافتہ لوگوں کے طبقات اور ان کے درجات

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ (حدید)

یعنی اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے، اور لوگوں کے احوال بتلانے والے، اپنے رب کے پاس ان کے واسطے ہے، ان کا ثواب اور ان کی روشنی۔

حضرت قتادہ اور عمرو بن میمون نے اسی آیت کے ذیل میں فرمایا ہے کہ ہر وہ شخص جو

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے وہ صدیق و شہید ہے۔ مفسر ابن جریرؒ نے حضرت براء بن عازب کی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا مومنی امتی شہداء یعنی میری امت کے سب مومن شہید ہیں۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک روز ان کے پاس چند حضرات صحابہ جمع تھے، انہوں نے فرمایا کلکم صدیق و شہید یعنی تم میں سے ہر ایک صدیق بھی اور شہید بھی، لوگوں نے تعجب سے پوچھا، ابو ہریرہؓ یہ آپ کہہ رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا میری بات کا یقین نہیں آتا تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو (جو اوپر ذکر کی گئی)۔

لیکن قرآن کی ایک دوسری آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن صدیق و شہید نہیں بلکہ مومنین میں سے ایک اعلیٰ طبقے کے لوگوں کو صدیق و شہید کہا جاتا ہے، اور وہ آیت یہ ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (پ۵ ع۶)

آیت میں چار طبقات کا ذکر ہے اور ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مفہوم و مصداقات میں فرق ہے، ورنہ تینوں کو الگ الگ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ صدیقین اور شہدا دراصل مومنین کے اعلیٰ طبقات کے مخصوص لوگ ہیں، یہاں سب مومن کو صدیق و شہید فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ ہر مومن کو ایک حیثیت سے ان کے زمرے میں لاحق سمجھا جائے گا۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کامل رکھتے ہیں طاعات کے پابند ہیں ورنہ وہ مومن جو شہوات اور غفلت میں منہمک ہو اس کی صدیق اور شہید نہیں کہا جا سکتا (روح المعانی)

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا اللعانون لایکونون شھدا، یعنی لوگوں پر لعنت کرنے والے شہدا میں شامل نہ ہوں گے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا کہ تم دیکھتے ہو کہ کوئی آدمی لوگوں کی عزت و آبرو مجروح کرتا ہے اور تم اس کو روکتے ہو نہ برا مانتے ہو، ان حضرات نے عرض کیا کہ ہم اس کی بدزبانی سے ڈرتے ہیں کہ ہم کچھ بولیں تو وہ ہماری بھی عزت و آبرو پر حملہ کرے گا، حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو تم لوگ شہدا نہیں ہو سکتے۔

ابن کثیر نے یہ روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بتلایا کہ ایسی مداہنت کرنے والے ان شہداء میں شامل نہیں ہوں گے جو قیامت کے روز انبیاء سابقین کی امتوں کے مقابلے میں شہادت دیں گے۔ (روح المعانی)

صدیق: قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ جس نے عمر بھر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے، بعض نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے دل میں جو اعتقاد ہو ٹھیک وہی زبان پر ہو اور اس کا ہر فعل اور حرکت وسکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو (روح المعانی) پھر صدیقیت کے درجات متفاوت ہیں اصل صدیق تو نبی اور رسول ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ ہر نبی اور رسول کیلئے صدیق ہونا وصف لازم ہے، اس کے برعکس جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری نہیں بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے رسول کی اتباع میں صدیق کا یہ مقام حاصل کرلے وہ بھی صدیق کہلائے گا، حضرت مریم کو قرآن نے "امہ صدیقہ" فرمایا ہے، حالانکہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں اور کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِيْقًا، ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللهِ وَکَفٰى بِاللهِ عَلِيْمًا۔ (پ۵ع۶)

اور جو شخص ضروری احکام میں اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو تکثیر طاعات سے کمال حاصل نہ کرسکے تو ایسے اشخاص بھی جنت میں ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے دین وقریب کا کام انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیقین جو کہ انبیاء علیہم السلام کی امت میں سب سے زیادہ رتبہ کے ہوتے ہیں جن میں کمال باطنی بھی ہوتا ہے، جن کو عرف عام میں اولیاء کہا جاتا ہے اور شہدا جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دیدی اور صلحاء جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں، جن کو نیک نصیب اور دیندار بھی کہا جاتا ہے۔
اس مذکورہ آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کرنے والے ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ومقبول ہیں، جن کے چار درجے بتلائے گئے ہیں۔

۱۔انبیاء ۲۔صدیقین۔ شہدا۔ ۴ صالحین

تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کے شان نزول کے بارے میں بروایت حضرت عائشہؓ ایک خاص واقعہ بھی نقل ہے۔ ایک روز ایک صحابی رسول اللہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یارسول اللہ میرے دل میں آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے اور بیوی اور اولاد سے بھی بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین رہتا ہوں یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں آکر آپ کی زیارت کرلوں تب سکون ہوتا ہے اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ کی وفات ہو جائے اور مجھے بھی موت آجائے گی تو سب جانتا ہوں کہ آپ جنت میں انبیاء کے ساتھ اونچے درجات میں ہوں گے اور مجھے اول تو یہ معلوم نہیں کہ جنت میں پہنچوں گا بھی یا نہیں اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپ کے بہت نیچے ہوگا وہاں آپ کی زیارت نہ کرسکوں گا تو مجھے صبر کیسے آئے گا، حضور نے ان کے کلام کو سن کو کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت اتری جسے اوپر ذکر کیا گیا۔

یہ درجات معرفت رب کے درجات ہیں۔

ایک درجہ صالحین کا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مقصود کو تقلید واتباع کے ذریعہ پہچانتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی چیز کو آئینہ میں دور سے دیکھے اور ایک حدیث کا ٹکڑا ہے فان لم تکن تراہ فانہ یراک، اس میں بھی رویت کا یہی درجہ مراد ہوسکتا ہے۔

دوسرا درجہ شہدا کا ہے یہ وہ لوگ ہیں دلائل براہین کے ذریعہ جانتے ہیں مشاہدہ نہیں ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کو آئینہ میں قریب سے دیکھ رہا ہو جیسے حضرت حارثہؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے رب کریم کے عرش کو دیکھ رہا ہوں اور حدیث ان تعبداللہ کانک تراہ میں اس قسم کی روایت مراد ہوسکتی ہے، صدیقین وہ لوگ ہیں جو معرفت میں انبیاء کے قریب ہوں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی چیز کو دور سے دیکھ رہا ہو، حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا میں کسی ایسی چیز کی عبادت نہیں کرسکتا جس کو نہ دیکھا ہو پھر فرمایا اللہ کو لوگوں نے آنکھوں سے تو نہیں دیکھا لیکن ان کے قلوب نے حقائق ایمان کے ذریعہ دیکھ لیا ہے۔

چوتھا درجہ انبیاء کرام کا ہے جن کو قوت الٰہیہ کی امداد حاصل ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جب کوئی شخص کسی چیز کو قریب سے دیکھا ہو اسی لئے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا، اَفَتُمَارُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۔

نبوت تو وہی چیز ہے کسب سے وہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی بقیہ درجات کے سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے علمی وعملی جدوجہد کے ذریعہ ان درجات تک پہنچنے کی کوشش کریں۔البتہ آیت کریمہ کی تفصیلات بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ کی کامل پیروی اور محبت سے جنت میں ان کی معیت بھی حاصل ہوسکتی ہے۔(معارف القرآن)

غضب وضلالت اور ان کے اسباب

غَیرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔

اے اللہ آپ ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام کا ہے جو ہدایت واستقامت والے تھے اور اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت گذار ان کے حکموں پر عمل کرنے والے تھے اور آپ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رکے رہنے والے تھے، ان کی راہ سے بچایئے جن پر غضب اور غصہ کیا گیا، جن کے ارادے فاسد ہوگئے، حق کو جان کر پھر اس سے ہٹ گئے اور گم گشتہ راہ لوگوں کے طریقے سے بھی ہمیں بچالیجئے جو سرے سے علم ہی نہیں رکھتے، راہ سے بھٹکے ہوئے حیران وسرگرداں ہیں، اور راہ حق کی طرف رہنمائی نہیں کئے جاتے۔

اہل ایمان کا تو طریقہ یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو حق پر عمل بھی ہو، یہودیوں کے پاس علم نہیں اور نصرانیوں کے پاس عمل نہیں، اسی لئے یہودیوں پر غضب ہوا اور نصرانیوں کو گمراہی ملی، یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں جیسے کہ قرآن میں ہے، مِنھُمْ مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ اور نصرانی ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں، فرمان الٰہی ہے، قَدْضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ (ابن کثیر)

اور مت چلو خیالات پر ان لگوں کے جو گمراہ ہو چکے پہلے، اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے، سیدھی راہ سے۔ کن وجوہات سے اور کن صفات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ راہ حق نہیں دکھاتے اور ہدایت نہیں دیتے، اس کو سادہ لفظوں میں نقل کردیا جاتا ہے۔

سورہ بقرہ میں ہے کہ ظلم، کفر کی وجہ سے ہدایت نہیں دیتے۔

سورہ مائدہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسقین کو ہدایت نہیں دیتے۔

سورہ زمر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کاذب اور جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتے۔

سورہ غافر میں ہے کہ حق تعالیٰ اسراف کرنے والے کو ہدایت نہیں دیتے

اس طرح اور بھی بہت سی آیتوں کی نشاندہی ہوسکتی ہے، الغرض کفر ہو یا ظلم ارتداد ہو یا فسق، خیانت ہو یا شرک، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ہدایت نہیں دی جاتی۔

سورہ مائدہ میں ہے کہ خدا کی خوشنودی چاہنے والے اور راہ حق کی پیروی کرنے والوں کو ہدایت عطا فرماتے ہیں، جو اللہ کی طرف دل کے جھکاؤ اور خلوص کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے اس کیلئے ہدایت عطا ہوتی ہے۔

ان چند آیات سے بھی جن اہم امور و اسباب کی نشاندہی ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

(۱) مشیت الٰہی (۲) رضا کے طلبگار (۳) انابت (۴) طلب صادق (۵) خشیت وغیرہ۔ اللہ محض اپنے کرم سے ہمیں ہدایت اور صراط مستقیم پر چلائے۔

غضب الٰہی کن پر؟

سورہ انفال میں حق تعالیٰ نے جہاد سے منہ موڑنے اور میدان جنگ سے پیٹھ پھرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور اگر کوئی میدان جنگ سے پیٹھ پھر کر بھاگے تو وہ غضب الٰہی کا مستحق ہے، اس کیلئے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى۔

حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ دیکھو ہم نے تم پر کیسے کیسے احسان و انعام کئے چاہے کہ ان کا حق ادا کیا جائے یہ تھوڑی بات ہے کہ ایسے سخت جابر و قاہر دشمن کے ہاتھوں سے تم کو نجات دی اور اس کو ایسے عبرتناک طریقے سے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا پھر بتوسط موسیٰ تم سے وعدہ ٹھہرا کہ مصر سے شام جاتے ہوئے کوہ طور کا جو مبارک حصہ داہنے ہاتھ پڑتا ہے وہاں آؤ تم کو توریت عطا کی جائے گی۔ تیہ کے لق و دق میدان میں تمہارے کھانے کیلئے من و سلویٰ اتارا گیا۔ ان احسانات کا حق یہ ہے کہ اللہ نے جو حلال و طیب لذیذ و ستھری چیزیں عطا فرمائی ہیں، انہیں شوق سے استعمال کرو لیکن اس معاملہ میں حد سے نہ گذرو، مثلاً ناشکری یا فضول خرچی کرنے لگو یا اس فانی تنعم پر اترانے لگو یا اس میں سے حقوق

واجبہ ادا نہ کرو یا اللہ کی دی ہوئی دولت معاصی میں خرچ کرنے لگو یا جہاں اور جس وقت جوڑ کر رکھنے کی ممانعت ہے وہاں جوڑنے کے پیچھے پڑ جاؤ۔ غرض خدا کی نعمتوں کو طغیان و عصیان کا آلہ نہ بناؤ۔ اگر ایسی زیادتی کروگے تو اللہ کا غضب تم پر نازل ہوگا اور ذلت و عذاب کے تاریک غاروں میں پٹک دیے جاؤ گے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (پ۵ ع۱۰)

اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کیلئے تیار رکھا بڑا عذاب۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ - ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ - ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (پ۱ ع۷)

اور ان پر مسلط کر دی گئی خواری و ناداری اور خدا کے غضب میں لوٹے، یہ بدلہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے، یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ - مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ - اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (پ۶ ع۱۳)

اور بھی بہت سی آیات و روایات مغضوبین کی علامات و اسباب کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں مگر مختصر اشارات مطلوب ہیں تفصیلات کیلئے بڑی کتابیں پڑھئے۔

ضال اور گمراہ کون؟

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (پ۱ ع۱۳)

اور جو کفر و ارتداد کے راستہ کو اختیار کرلے وہ راہ حق سے بھٹک گیا۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَّمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ - الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (پ ۱، ع ۳)

اللہ اس کے ذریعہ بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس سے انہی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں۔

نوٹ: غضب کا لفظ مختلف صیغوں کے ساتھ دو درجن مقامات پر استعمال ہوا ہے اور ضلالت کا لفظ مختلف تعبیرات کے ساتھ تقریباً ۲۰۰ جگہوں پر مذکور ہے، ان تمام کا تذکرہ کرنے سے کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی، اختصار ملحوظ ہے۔

جوہری بم گرا عالم کفر پر عالم شرک میں زلزلہ پڑ گیا
دہریت شیطنت تھرتھرانے لگی جب جہاں میں خدا کا پیام آ گیا

☆☆☆

پیاسی روحوں پہ رحمت برسنے لگی دل میں ایمان کے چشمے ابلنے لگے
ساری انسانیت میں بہار آ گئی جب جہاں میں رسالت کا کام آ گیا

شعور فاتحہ...... وجدانی تمثیلات

سورۃ فاتحہ بندوں کیلئے اللہ کی خصوصی نوازش اور کرم کی دلیل قطعی ہے اس پہلو کو سمجھنے کیلئے ایک مثال کو سامنے رکھئے، مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں۔ کسی ملک کے وزیر یا کلکٹر دفتر میں ملازمت کی جائیدادیں خالی ہوں، کسی امیدوار ملازمت کو اس کا پتہ چلے اور وہ ملازمت کیلئے دفتر پر حاضر ہو تو وزیر یا کلکٹر کے اجلاس پر بن سنور کر ادب واحترام سے حاضر ہوتا ہے، جھک کر سلام کرتا ہے بہت ہی عاجزی سے عرض کرتا ہے کہ وہ بے روزگار ہے۔ جناب والا کے دفتر میں روزگار کی تلاش میں حاضر ہوا ہے، وزیر یا کلکٹر صاحب اس سے پوچھتے ہیں کہ درخواست ہے یا نہیں، درخواست ہو تو پیش کرے، اتنا سنتے ہی امیدوار پر خوشی اور مسرت چھا جاتی ہے امید کر لیتا ہے کہ ملازمت کے ملنے کا وقت آ گیا، اس لئے کہ ذمہ دار حضرات نے درخواست پیش کرنے کو کہا ہے، اگر ملازمت کیلئے کوئی جائیداد خالی نہ ہوتی تو کلکٹر صاحب درخواست کیوں پوچھتے، صاف فرما دیتے کہ ہمارے پاس کوئی خالی جگہ نہیں ہے، کلکٹر کی عظمت ومحبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور فوراً درخواست لکھوا کر سامنے پیش کر دیتا ہے، اب اگر کوئی کلکٹر صاحب ایسے ہوں کہ ... اپنے پاس

سے کاغذ نکالیں، آپ کی درخواست اپنے ہاتھ سے لکھ دیں اور اس پر آپ کی دستخط حاصل کریں اور درخواست پر تقرر کی تجویز کر دیں تو امیدوار کے دل میں کلکٹر کی عظمت ومحبت بیٹھ جاتی ہے اس کے پیٹ میں منہ رکھ دیتا ہے اور خوشی کے آنسو آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں، دل جذبہ شکر سے لبریز ہو جاتا ہے، دنیا والوں کو ایسا کوئی فرد ملا ہو کہ نہ ہو دنیا میں ایسا عہدیدار موجود ہو کہ نہ ہو مسلمان کے پاس ایسے آقا موجود ہیں، پروردگار عالم بندوں کی طرف سے خود درخواست لکھ چکے ہیں اور صرف آمین کی دستخط کرنے کا حکم فرما رہے ہیں۔

سورہ فاتحہ کی ایک اور تجلی دیکھئے

بادشاہوں، وزیروں، کلکٹروں بلکہ شہنشاہوں کے پاس بھی جائیدادیں محدود ہی ہوتی ہیں، اسلئے آگے گنجائش نہیں رہتی لیکن پروردگار عالم کے پاس لاکھوں، کروڑوں اور اربوں درخواستیں آتی ہیں اور سب کی سب منظور، محرومی اور بے روزگاری ایک کیلئے بھی نہیں ہے۔

سورہ فاتحہ کی ایک اور تجلی دیکھئے

سورہ فاتحہ کی جو ہیئت تعلیمی ہے، وہی پوری دنیا میں جاری ہے۔ بادشاہ اور رعایا آپس میں جو روابط رکھتے ہیں اور ملازمین اور عہدیداروں کے آپسی جو تعلقات ہیں، اسمبلی کے اجلاس اور پارلیمنٹ کی جو ہیئت ترکیبی ہے، ٹھوک فروش اور چلر فروشوں میں جو تعلقات ہیں وہ سب سورہ فاتحہ کی تجلیات ہیں۔

مثال کے طور پر ایک چھوٹا تاجر بڑے تاجر کے پاس پہنچ کر سلام کرتا ہے، قریب کھڑا ہو جاتا ہے، بڑے ادب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے صاحب آپ کے کیا کہنے میرے عنایت فرما تو بس آپ ہی ہیں، آپ ہی کی نوازش سے زندگی کامیابی سے گذر رہی ہے، مال اچھا دیتے ہیں، حساب بھی صاف رکھتے ہیں، سیٹھ صاحب میں اسی لئے مال صرف آپ دکان سے لیتا ہوں، آپ ہی سے معاملہ رکھتا ہوں، آپ کی دوکان کو چھوڑ کر کسی دوسری دکان پر قدم نہیں رکھتا، بڑے تاجر خوش ہوتے ہیں، چھوٹے تاجر سے کہتے ہیں کہ اب آپ کو کیا مال درکار ہے، چھوٹا تاجر جیب سے فہرست نکال کر دیتا ہے، بڑے تاجر مال لے جانے کا اشارہ کر دیتے ہیں، ادھر مال تلنے لگ جاتا ہے ادھر چھوٹے تاجر کی زبان پر جاری رہتا ہے کہ سیٹھ

صاحب، جس طرح آپ نے فلاں کو مال دے کر سیٹھ بنا دیا، اسی طرح میرے ساتھ بھی معاملہ فرمائیے، ہاں، میرے ساتھ ویسا معاملہ نہ فرمائیے جیسا فلاں صاحب کے ساتھ فرمایا تھا، کہ ان کا گھر ضبط کرالیا، ان کی دوکار ہراج کرادی، یہی ہیئت اور یہی ربط و تعلق پوری دنیا میں جاری اور سارے انسانوں میں ساری ہے۔ ان وجدانی تمثیلات کی روشنی پر سورہ فاتحہ کی ایک ایک آیت اور اس کے معانی پر غور فرمائیے، اسے آپ علم کا بحر بے کراں پائیں گے۔

احسان ہی احسان ہی احسان الٰہی
ہم آپ کے احسان پہ قربان الٰہی
احسان کیا دین کی دولت سے نوازا
احسان کیا قرب کی نعمت سے نوازا
احسان کیا اپنی محبت سے نوازا
احسان کیا دانش و حکمت سے نوازا
احسان ہی احسان ہی احسان الٰہی
ہم آپ کے احسان پہ قربان الٰہی

سورہ فاتحہ کی جامعیت اور خصوصیات

پورے قرآن میں سورہ فاتحہ کو ایک خصوصیت اور جامعیت حاصل ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ پورے مقاصد قرآن کے بنیادی اصول اس سورت میں پائے جاتے ہیں، اس میں عقائد کا پہلو بھی بیان کیا گیا ہے، عبادت کا بھی اور معاملات و اخلاقیات کا بھی، اس میں خدا کی حمد و ثنا بھی ہے اور خدا کے معبود حقیقی اور مستعان ہونے کا اعتراف بھی، طلب ہدایت کا طریق بھی ہے اور ہدایت یافتہ انسانوں کی نشاندہی بھی۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن اسی سے شروع ہوتا ہے، تیسری خصوصیت یہ ہے کہ نماز اسی سے شروع ہوتی ہے، چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ مکمل سورۃ کی حیثیت سے یہی سورۃ سب سے پہلے نازل ہوئی۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورۃ اتنی عظیم الشان ہے کہ جس کی نظیر نہ توریت میں، نہ انجیل میں نہ خود قرآن میں کوئی سورت اس کے مثل ہے۔ چھٹی خاصیت یہ ہے کہ یہ سورۃ ہر بیماری کی شفا ہے، اسی طرح اس سورۃ مبارکہ کے جتنے نام ہیں، ان ناموں کی مناسبت سے یہ سورۃ

اپنے اندر گونا گوں خصوصیات رکھتی ہے، اس کی جامعیت اور ایک ایک لفظ کی معجزانہ کیفیت کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

چند نکات

اگر کوئی الحمد کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اللہ کی ذات کو ہمہ خیر مان رہا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اللہ کو ہمہ خیر، ہمہ داں، ہمہ تواں ہستی ماننے والا شخص ہی صحیح معنوں میں الحمدللہ کا جامع لفظ اپنی زبان پر لا رہا ہے، اور یہی لفظ الحمدللہ وجود حق کا بین ثبوت ہیں۔ تصدیق قلبی کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کا نکلنا اس بات کی علامت ہے کہ تصدیق کرنے والا اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اس سیکفر کی جڑیں کٹ جاتی ہیں پھر بندے کا رب العالمین کہنا دراصل اس بات کا اقرار ہے کہ غیر اللہ نہ لائق عبادت ہے نہ لائق استعانت۔ اس اقرار کے ساتھ ہی شرکت نیست و نابود ہو جاتا ہے، علامہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ الحمدللہ کہتے ہی ایک شخص انکار کے دائرے سے نکل کر صحیح اقرار کے دائرے میں آتا ہے اور رب العالمین کہتے ہی شرک کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے لفظ رب کی تفصیلات اور **العلمین** کی حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے، اس طرح سورہ فاتحہ اپنے اندر جامعیت علوم کی عجیب شان رکھتی ہے۔ الحمدللہ کہنے سے ثبوت ایمان ملتا ہے اور رب العالمین کہنے سے ثبوت توحید ملتا ہے، رب رحمٰن، رحیم، مالک، اسماء الٰہیہ کے ذکر سے خدا کی ذات وصفات کا علم و یقین ملتا ہے۔ یوم الدین سے آخرت کا علم ملتا ہے گویا شروع سورۃ سے **مالک یوم الدین** تک بنیادی اعتقادات بتلائے گئے ہیں۔ **ایاک نعبد** کے ذریعہ عبادت یعنی توحید الوہیت کا مضمون ہے اور **ایاک نستعین** کے ذریعہ استعانت کا جو قرآن کا بنیادی اور مہماتی مضمون ہے، **اھدنا** سے لیکر **و لا الضالین** تک معاملات، اخلاقیات اور حقوق وحدود کا بیان ہے۔ **انعمت علیھم** میں اصول معرفت کی بات سمجھائی گئی ہے، جس کی کچھ تفصیل متعلقہ آیت میں آجائے گی، ذات وصفات کے تذکرہ کے بعد **ایاک نعبد و ایاک نستعین** کہنا یہ اشارہ دیتا ہے کہ اعتقادات اعمال پر مقدم ہیں اور اعمال کی قبولیت کا دارومدار عقیدوں کی درستگی پر ہے۔

فاتحہ کے خصوصی فوائد

اہل حق نے اپنے رسائل میں سورۃ فاتحہ کے چند فوائد کا ذکر کیا ہے جس میں خاص طور پر ابتدائی تین آیات کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ یہ تین آیتیں چند مسائل وعنوانات کو متضمّن ہیں۔

پہلی آیت میں محبت کا بیان ہے، اس لئے کہ ربوبیت درحقیقت خدا کا انعام ہے اور جس پر انعام ہوا ہے اس کے اس انعام کا تقاضہ یہ ہے کہ منعم سے محبت کی جائے، کیونکہ احسان کرنے والے سے محبت طبعی، عقلی، فطری طور پر پیدا ہوجاتی ہے، اسی موقع پر محبت کی خصوصی اقسام محبت شرکیہ، محبت طبعیہ، محبت باطل، محبت حق اور محبت اہل حق کا تذکرہ کیا ہے۔

الحمدلله رب العالمین میں محبت کا بیان ہے، الرحمن الرحیم میں رجا یعنی امید کا بیان ہے اور مالک یوم الدین میں خوف خدا کا بیان ہے۔ ایاک نعبد میں عبادات کا اور بالخصوص توحید الوہیت کا بیان ہے اور ایاک نستعین میں استعانت کے عنوان کا خصوصاً توحید ربوبیت کا بیان ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم میں ہدایت اور راہ حق کا تذکرہ ہے اور اصولی طور پر بدعات کا رد کیا گیا ہے اور اس کے بعد کی دو آیتوں میں لوگوں کے احوال اور گروہوں کی تقسیم بتلائی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں، کچھ لوگ وہ ہیں جن پر خدا کا غضب ہوا وہ مغضوب ہیں اور کچھ لوگ جہالت اور غلط علم کی بناء پر ضالین میں شمار ہوتے ہیں گویا بعض لوگ وہ ہیں جو علم وعمل سے متصف ہیں وہ انعام کے مستحق ہیں۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جن کے پاس علم ہوسکتا ہے لیکن عمل سے کورے ہیں، اسلئے غضب الٰہی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جو یا تو نادانی سے گمراہ ہوجاتے ہیں یا غلط علم سے گمراہ ہوجاتے ہیں یا عبادات تو کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ علم حق نہیں ہوتا اور ان فوائد کے ساتھ ساتھ مہماتی فوائد میں یہ بھی منقول ہے کہ اس سورۃ میں اللہ اور بندے کی پہچان کرائی گئی ہے اسلئے کہ اگر ایک ذات رب ہے تو اس کیلئے مربوب ہونا ضروری ہے، اگر ایک ذات مالک ہے تو اس کیلئے مملوک ہونا ضروری ہے۔ ہادی کیلئے ہدایت یافتہ ہونا، منعم کیلئے منعم علیہ کا ہونا اور مغضوب کیلئے غاضب کا ہونا ضروری ہے، غرض یہ سورۃ شامل ہے ان تمام اعتبارات کو جس میں عبد و رب کی پہچان کرائی گئی ہے۔

احسان ہی احسان ہی احسان الٰہی میں آپ کے احسان پہ قربان الٰہی

احسان کیا آپ نے انسان بنایا ‏ احسان کیا اور مسلمان بنایا
احسان کیا صاحب ایمان بنایا ‏ احسان کیا حامل قرآن بنایا
احسان ہی احسان ہی احسان الٰہی ‏ میں آپ کے احسان پہ قربان الٰہی

جامعیت اور ایجاز

سورہ فاتحہ کی جامعیت وایجاز پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہوجائے گا کہ جس طرح پورے درخت کا اجمالی وجود اس کے بیج میں ہوتا ہے، اس کے پھل، پھول، شاخیں، پتے، تنا، ڈالیاں، سب اسی بیج میں مندمج ہوتی ہے، اسی طرح پورے قرآن کریم کے مضامین کا نچوڑ سورہ فاتحہ میں سمویا ہوا ہے۔ چنانچہ ذات وصفات الٰہیہ، انعامات، مبداء عالم اور عقائد وکلام کی بنیاالحمدللہ رب العلمین میں ہے۔ مالک یوم الدین سے منتہائے عالم یعنی برزخ وقیامت کی طرف اشارہ ہے۔ ایاک نعبد میں عبادت وبندگی کا نظام ہے، وایاک نستعین میں سلوک واحسان کی بنیاد فراہم ہوجاتی ہے، پس اس طرح عقائد، عبادات فقہ و سلوک کے مجموعہ کیلئے شاہراہ ہدایت تیار ہوگئی۔ صراط الذین سے اچھے اور برے انسانوں کی تاریخ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ان سارے خطوط کا بنیادی اور مرکزی نقطہ عابد ومعبود کا صحیح تعلق ہے، یہ رشتہ استوار ہوجائے تو منشاء تخلیق پورا ہوگیا۔ بندے کی طرف سے بندگی اور نیازمندی ہو تو پھر معبود کی طرف سے پوری سرفرازی اور سربلندی کیوں نہیں ہوگی؟

غرض سارے مضامین کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں آگیا اور سورہ فاتحہ کا لب لباب بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ماحصل ''ب'' میں مندمج ہے جو استعانت کیلئے آتی ہے اور حروف میں ''ب'' کا امتیاز اس کے نقطہ میں مرکوز ہے، اس طرح گویا سارے کلام الٰہی کا جوہر ایک نقطہ کی ڈبیہ میں بند ہے۔

آمین: یہ استجب کے معنی میں ہے، حضرت ابن عباسؓ نے حضور اکرم ﷺ سے اس کے معنی دریافت کئے تو فرمایا، افعل کے معنی میں ہے، یعنی کر دیجئے۔

آمین: بالاتفاق قرآن میں داخل نہیں ہے مگر سورہ فاتحہ کے خاتمہ پر اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ اس کتاب کی جمع وترتیب اور اخذ واستفادہ میں جن کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) تفسیر ابن کثیر (۲) تفسیر مظہری (۳) تنویر سبع مثانی (۴) المعجم المفہرس لالفاظ القرآن (۵) فضائل اعمال (۶) مواعظ حکیم الامت (۷) معارف القرآن (۸) فتاوی رحیمیہ (۹) انوار القرآن (۱۰) قرآن اور تصوف (۱۱) قرآن و تعمیر سیرت (۱۲) غنیۃ الطالبین۔ ان اصبت فھو من اللہ و ان اخطئت فھو من نفسی و ارجو اللہ ان یعفونی بفضلہ العظیم۔

جو کام بھی کرو وہ برائے خدا کرو ۔۔۔ نیت ہر ایک کام میں قرب و رضا کرو
للّٰہیت، خلوص، محبت سے کام ہوں ۔۔۔ نام و نمود، سمعہ، ریا سے بچا کرو

(مفہوم) سورۂ فاتحہ (منظوم)

(والد ماجدؒ کے ایک خلیفہ حضرت شاہ محمد عبدالرحیم صاحب دردؔ نے سورہ فاتحہ کو اس طرح منظوم کیا ہے)

تعوذ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے

اللہ کی پناہ شیطان مردود سے
مانگتے رہئے پناہیں ہر نفس شیطان سے
رہ سکیں گے اس طرح نزدیک تر رحمان سے
منکر فیضان حق ابلیس ہے مردود ہے
دور رکھئے اس کو اپنے جسم سے اور جان سے

تسمیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اللہ کے نام سے

کام کا آغا کیجئے نام سے اللہ کے
ربط ہر اک کام کا ہے کام سے اللہ کے
کرکے پیدا پرورش کرتا ہے جسم و جان کی
زندگی ہے فیض خاص و عام سے اللہ کے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے

تعریف خدا

ہر جہاں میں جو نظر آتی ہیں ہم کو خوبیاں
ان کو پیدا کر رہے ہیں اصل میں اللہ میاں
حمد ہو اللہ کی ہر حسن پر مخلوق کے
خلق کی تعریف میں ہیں دوستو! گمراہیاں

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

صفات حق

مظہر حسن ازل نور جہاں ن خاک ہے
اس کے فیض خاص سے ہر عالم ادراک ہے
کیا بصارت کے تماشے کیا بصیرت کا شعور
جلوہ رحماں تجلی رحیم پاک ہے

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قیامت کے دن کا مالک ہے

مالک روز جزاء

مالک روز جزا، مالک ہے ہر اک چیز کا
اس کے ہم مملوک ہیں ہر چیز ہے اس کی عطا
حکم مالک کا چلے مملوک پر ہر حال میں
ہم امیں ہیں ہر امانت کا محاسب ہے خدا

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں

عبادت کس کی؟ استعانت کس کی؟

زندگی میں بندگی ہے، ابتداء تا انتہا
ہو اگر پیش نظر ہر کام میں حق کی رضا
بے شعوری میں عبادت بھی اگر ہوتی رہے
اس عبادت سے نہیں ممکن کہ راضی ہو خدا
مانگنے والے ہیں سب اور دینے والا اک خدا
جس سبب کو دیکھئے ہے وہ مسبب کی عطا
چاہیے جتنی مدد آقا سے اپنے مانگئے
کون سنتا ہے بجز آقا کے بندوں کی دعا

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ چلا ہم کو سیدھا راستہ

راہِ حق

سیدھا رستہ ایک ہے ٹیڑھی راہیں ہیں کئی
رہنمائی نفس و شیطان کی سراسر گمرہی
اے مرے اللہ لے چل سیدھے رستے پر مجھے
نور و رہبر سے دکھادے آپ راہ آگئی

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا

دعائے نعمت

تیری نعمت پانے والوں کا طریقہ کر عطا
زندگی بھر ان کے جینے کا سلیقہ کر عطا
گمرہی سے ان کی ہمراہی سے بچ سکتا ہوں میں
بندگی کا بہر ہمراہی و ثیقہ کر عطا

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ نہ ان لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کا

دعا۔غضب سے بچنے کیلئے

ان کی راہوں سے بچا جن پر غضب تیرا ہوا
زندگی میں جو نہ حاصل کر سکے تیری رضا
رکھ مجھے ناراض ان سے جن سے تو ناراض ہے
ان سے راضی رہ کے تجھ سے کیا ملوں میں اے خدا

دعا۔گمراہی سے بچنے کیلئے

ہوگئے گمراہ جو ایسوں کی راہوں سے بچا
رہبری سے ان کی اور ان کی پناہوں سے بچا
گمرہوں کے ساتھ رہ کر راہ کیا سیدھی چلوں
رہ کے نظروں میں مجھے ان کی نگاہوں سے بچا

آمین

اے اللہ! تو ہماری دعا کو قبول فرما
میرے رب میں مانگتا ہوں سیکھ کر تجھ سے دعا
جوش زن ہے دل میں میرے ولولہ آمین کا
اس دعا میں نفس شیطان کا نہیں کوئی گذر
کر قبول اس کو کہ ہے درد کی اس میں دوا